ہفت روزہ
الفتح
کراچی

کتنی سنگین ہے یہ
"جرم غریبی" کی سزا

قیمت :— ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے :— ۶۰ پیسے



خُدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد : ۔۔۔ ۱ شمارہ : ۔۔۔ ۴۵

۲۵ مارچ ۔ یکم اپریل ۱۹۷۱ء

نگران

شوکت صدیقی ۔۔۔ محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونین خصوصی

ابراہیم جلیس ۔۔۔ منہاج برنا

افضل صدیقی ۔۔۔ ایم کے جنجوعہ

نائب مدیران

اشرف شاد ۔۔۔ وہاب صدیقی

عکاس : الطاف رانا آرٹ : غلام نبی نرمی

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے :۔	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت ۔۔۔ ۶۰ فلس
دوبئی، قطر ۔۔۔ ۵، درہم
سعودی عرب ۔۔۔ ۱۵ قرش
انگلستان ۔۔۔ ۲ شلنگ، ۶ پنس

مقام اشاعت

دفتر ہفت روزہ الفتح، ۷۸، ڈی نرسری کمرشل ایریا
پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس۔ کراچی ۔۔۔ ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ ۔ مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد، کراچی

اداریہ

۲۳ مارچ

آج دیش کی دھرتی اندرونی اور بیرونی سازشوں کی زد میں ہے۔ امریکی اور روسی سامراج نے پاکستان کو ختم کرنے کے لئے اپنے تمام ذرائع استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں اور ملک کی سالمیت اس حد تک خطرہ میں پڑ گئی ہے کہ بارہ کروڑ عوام یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ پاکستان میں عوام کا راج ہوگا یا امریکی اور روسی سامراج اکھنڈ بھارت کے گھناؤنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں گے۔ وہ ۲۳ مارچ کو رسمی یوم پاکستان منائیں اور پھر ایک ایسی جدوجہد کا آغاز کریں کہ آئندہ ۲۳ مارچ تک دیش کی دھرتی پر کوئی امریکی، کوئی روسی، کوئی سامراجی ایجنٹ باقی نہ رہے

عوام کو یقیناً جدوجہد کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ انھیں عبوری حکومتوں کے قیام سے توقعات وابستہ نہیں کرنا ہوں گی۔ اسمبلیاں مظلوم عوام کو سازشوں سے نجات نہ دلا پائیں گی۔ وطن کو بچانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ :

- ۔۔۔ ہم وطنِ عزیز کی سالمیت کے لئے امریکی اور روسی سامراج کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔
- ۔۔۔ وطنِ عزیز سے امریکی اور روسی سامراج کے ایجنٹوں کا مکمل صفایا کر دیں۔
- ۔۔۔ مزدور کسان راج کے لئے اپنی صفوں کو منظم کریں
- ۔۔۔ سازشوں سے ہوشیار رہیں اور ان کا قلع قمع کرتے ہوئے آگے بڑھیں

فتح یقیناً ہماری ہوگی۔ سازشی اور اُن کے ایجنٹوں کا عبرت ناک انجام ہوگا۔ بالکل ایسا ہی جیسا کہ ویتنام، کمبوڈیا اور لاؤس میں ہوا ہے۔

۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف بھرپور انداز میں سیاسی شعور کا مظاہرہ کیا جائے۔ یہی طبقہ دراصل غیر ملکی طاقتوں یعنی امریکی اور روسی سامراج کے مفادات کا محافظ ہے۔ ۲۴ مارچ سے بارہ کروڑ عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح سامراجیوں کے ہاتھوں فروخت کرتا چلا آ رہا ہے اور اب پھر ایک بار مظلوم عوام کو بین الاقوامی منڈی میں سامراج کے سامنے بکاؤ مال بنا کر پیش کر دیا ہے۔

جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو یہ باور کرانے کی اشد ضرورت درپیش ہے کہ پاکستانی عوام بکاؤ مال نہیں۔ وہ بھوکے ننگے ضرور ہیں لیکن وطن کی حفاظت سالمیت اور استحکام کے لئے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ سامراجی ایجنٹوں کو یہ یقین دلانے کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ ایسا ہوا تو ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء تک ملک سامراجیوں سے پاک ہو جائے گا۔ ہمارا نعرہ ”عوام متحد ہو جاؤ۔ امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور ان کے تمام پٹھوؤں کو شکست دے دو“ ہونا چاہیے۔



مزدوروں کسانوں اور صحافیوں کے لئے عوامی تحریک کا آغاز

غدار کون ہے اور محبِ وطن کون؟

فیصلہ عوام کریں گے

افضل صدیقی

ہر دور میں ہر حکومت اور ہر پارٹی کے نزدیک غداری، بغاوت اور وطن دشمنی کا مفہوم اس کی اپنی پسند کا رہا ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی تفسیر یار لوگ اپنے مطلب کے مطابق کرتے آئے ہیں۔ جس کو چاہا کافر اور مرتد قرار دیا۔ جس کو چاہا سزاوارِ دار و رسن ٹھہرا دیا اس طرح ہر دور میں غداری اور وطن دوستی۔ حق اور باطل کے سانچے اور پیمانے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ اس کا فیصلہ ہمیشہ حکومتیں اور گنتی کے مفاد پرست کرتے آئے ہیں۔ لیکن صحیح فیصلہ تاریخ کرتی ہے۔ اور تاریخ عوام بناتے ہیں۔ عوام اور تاریخ کا فیصلہ دنیا مانتی ہے۔ مگر عقل کے اندھوں کو سچ میں جھوٹ اور حق میں باطل ہی نظر آتا ہے۔ اور وہ حق کے سورج کی تیز روشنی میں اپنی کم عقلی کا چراغ جلانے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

دستور اپنی پسند کے اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ قوانین حق داروں کے حقوق غصب کرنے اور ظلم کی پشت پناہی کے لئے وضع کئے جاتے ہیں۔ اس دستور کو ان قوانین کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ جو چیلنج کرے گا وہ غدار ہوگا۔ باغی کہلائے گا۔ عدلیہ سے انصاف طلب کرنا ہر ملک کے آزاد شہری کا حق ہوتا ہے۔ لیکن انتظامیہ اپنی کمزوریوں اور زیادتیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بعض قوانین خود گھڑ لیتی ہے اور عدلیہ کو آزادانہ اور غیر جانبدارانہ طور پر انصاف کرنے سے روک دیتی ہے۔ کسی قانون میں کوئی سقم نکل آیا اور ظالم کے ظلم کا پردہ چاک ہونے لگا تو جھٹ کسی آرڈی نینس کی مدد سے قانون میں ترمیم کر دی۔ ایوب خاں اور نواب کالاباغ عرصہ دراز تک ایسے آرڈی نینسوں اور ایسے ہی کالے قوانین کے ذریعہ عوام پر ان کی مرضی کے خلاف حکومت کرتے رہے۔

یہ قوانین اب بھی اتنے ہی سیاہ ہیں، اور ان پر عمل درآمد بھی اسی طرح آنکھ بند کر کے ہو تا رہا ہے۔

عدلیہ کو آزاد اور خود مختار ہونا چاہئے۔ یہ بہت پرانا مطالبہ ہے۔ جو ابھی تک پورا نہیں ہو سکا۔ یہ ایک جمہوری حق ہے جو ابھی تک عوام کو نہیں ملا۔ آج بھی کسی بے گناہ شخص کو جس سے زندگی بھر قتل یا چوری کی واردات سرزد نہیں ہوئی سڑک پر کھڑے کھڑے مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ کسی نے کسی بس پر کبھی پتھراؤ نہیں کیا۔ نہ کسی کے خلاف مردہ باد کا نعرہ لگایا۔ پھر بھی وہ باغی ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ آپ کی اگر مجھ سے دشمنی ہے اور آپ سماجی حیثیت' دولت اور رسوخ رکھتے ہیں تو آپ جب چاہیں اور جب تک چاہیں مجھے حوالات میں بند کرا سکتے ہیں بغیر مقدمہ چلائے۔ اور اگر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ میں ضمانت پر چھوٹ سکتا ہوں۔ تو پھر اس کا سیدھا سا نسخہ یہ ہے کہ آپ اربابِ نظم و نسق پر اپنا اثر ڈال کر مجھے کمیونسٹ، باغی، غدار، وطن دشمن یا غیر ملکی جاسوس قرار دلوا دیں۔ باغی کے لئے سزائے موت یا عمر قید ہوتی ہے۔ اور صرف صدر مملکت ہی یہ سزا معاف کر سکتے ہیں۔ قانون میں ایسے شخص کی معافی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے شخص پر "مفادِ عامہ کے پیشِ نظر" کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کا ڈھونگ رچانے کی بھی ضرورت نہیں۔

پاکستان کی قرارداد پیش کرنے والے عظیم محبِ وطن رہنما مولوی ابوالقاسم فضل الحق بھی اسی پاکستان میں غدار قرار دیئے گئے تھے جیسے شہید سہروردی، شیخ مجیب الرحمٰن، ایم کے حجوعہ، فیض احمد فیض، میجر جنرل اکبر خاں جیسے لوگ بھی سازشی، باغی اور وطن دشمن ٹھہرائے گئے۔ کیا واقعی انہوں نے وطن سے بغاوت کی تھی؟ حکومت کا فیصلہ یہی تھا مگر تاریخ نے اور عوام نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ لفٹیننٹ جنرل اعظم خاں غیر بنگالی اور مغربی پاکستانی تھا۔ اور اس نے مشرقی پاکستان پر نہیں بلکہ بنگالی عوام کے دلوں پر راج کیا۔ مگر اسے مغربی پاکستان ہی کے حکمرانوں نے ایک طرح سے غدار قرار دے کر ایک کونے میں دھکیل دیا۔ اس کا بھی وہی جرم تھا جو سب کے لئے آج بھی لائق تعزیر چلا آتا ہے۔ جو بھوک اور افلاس کے شکنجوں میں دبے ہوئے بے لبس عوام کی آزادی اور خوشحالی کی بات کرے وہ آج بھی غدار ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کے کروڑوں مظلوم انسانوں کی نجات کی مہم چلائی تو قانون حرکت میں آگیا۔ آواز اٹھی "اسے سولی پر چڑھا دو"۔ وہ ایوب خاں کے دور میں باغی اور غدار کہلایا۔ وہ غدار سمجھا گیا۔ اس لئے کہ اس نے اعلان تاشقند کو سامراجیوں کی سازش ثابت کر دیا۔ اس نے ملک کو امریکہ کے ہاتھ بکنے نہ دیا تھا۔ اس نے کہا کہ "دستور سے کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ آئین، جمہوریت، الیکشن سب چند پیٹ بھروں کی باتیں ہیں پہلے غریبوں کو روٹی، کپڑا اور سر چھپانے کو جگہ دو پھر کوئی نظام رائج کرنے کی سوچو"۔ تب بھی اسے باغی اور وطن دشمن سمجھا گیا۔ اور جب اس نے "وطن دوستی" کا ثبوت دینے کے لئے آئین اور جمہوریت کے لئے الیکشن جیت کر دکھایا۔ تب بھی اسے دھوکے باز، بازی گر اور باغی کے خطابات سے نوازا گیا۔

آج جب وہ قومی اتحاد اور وطن کی سلامتی کی بات کرتا ہے تب بھی اسے غدار اور ملک دشمن قرار دیا جا رہا ہے۔ اور وہ سیاسی چھٹ بھئیے سب سے بڑے محبِ وطن بنا کر بانس پر چڑھائے جا رہے ہیں۔ جو الیکشن ہار گئے تھے۔ جنہیں عوام نے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ آج جو ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا سنبھال کر اس پر راج کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں وہ سب سے بڑے علمبردارِ اتحاد، قوم کے درد مند اور ملک کے وفادار ٹھہرائے جا رہے ہیں۔

جب بھٹو نے ۳ مارچ کو بلائے جانے والے قومی اسمبلی کے اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تو ملک کے ایک ایک کونے سے ان سیاسی مینڈکوں کے ٹرانے کی آواز آنے لگی کہ "بھٹو جمہوریت کا دشمن اور باغی ہے"۔ ان

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں

عوام نے سازشیوں کو بے نقاب کر دیا ہے





عبوری حکومت کا قیام اچھا شگون نہیں ہے

محمود شام

اس وقت جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، مسٹر بھٹو ڈھاکے جانے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔

اخباری اطلاعات کے مطابق حالات پرسکون ہو رہے ہیں۔ امید کی روشنی بڑھ رہی ہے۔ لیکن اس خاموشی میں بہت سے طوفان پوشیدہ ہیں۔ گذشتہ دنوں میں جو کچھ ہو چکا اس سے فاصلے اور بڑھ گئے ہیں۔ اور کئی سیاسی اور جغرافیائی تلخ حقیقتیں جو ابھی تک عوام کی نظروں سے اوجھل تھیں، ان کے سامنے بھی آ گئیں۔ ۲۳ سال میں اتحاد اور سلامتی کے لئے جو "نام نہاد" کوششیں کی گئیں وہ بے سود ثابت ہوئیں۔

تمام سیاسی قوتیں اس وقت ڈھاکے میں موجود ہیں۔ اس بحران کو ختم کرنے کے لئے قومی عبوری حکومت قائم کی جا رہی ہے حلف لینے کے لئے چیف جسٹس حمود الرحمٰن بھی ڈھاکے پہنچ چکے ہیں۔ ڈھاکے میں اس سے پہلے یہ کوششیں کی جا رہی تھیں کہ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کو نظر انداز کر کے مشرقی پاکستان کی اکثریتی پارٹی مغربی پاکستان کی اقلیتی جماعتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے صدر یحییٰ پر دباؤ ڈال کر ایک ایسی عبوری حکومت بنائے جس میں بھٹو کے علاوہ سب ہوں۔ امریکہ اور روس کی اس سامراجی سازش کو شہ سرخی کے طور پر ایک حال ہی میں "بھٹو دشمن" بننے والے لاہور کے اخبار نے شائع بھی کیا تھا۔ روس نواز نیپ کے صدر ولی خاں لندن یاترا کے بعد ڈھاکے پہنچے تھے۔ انہوں نے خبر یہ اڑائی ہے کہ انہیں صدر یحییٰ نے تار دے کر لندن سے بلایا ہے۔ حالانکہ وہ تار اس گول میز کانفرنس کے لئے اطلاع کے طور پر دیا گیا تھا۔ جو ۱۰ مارچ کو ہونے والی تھی۔ وہ شیخ مجیب الرحمان کی دعوت پر ڈھاکہ پہنچے۔ اس کے بعد دولتانہ، مفتی محمود اور آخر میں عوامی لیگ نے سی آئی اے یا جماعت اسلامی کے ایجنٹ مسٹر اے کے بروہی کو ڈھاکہ بلایا ہے۔ یہ مغربی پاکستان کو فروخت کر دینے کی کڑیاں تھیں۔ یہ تمام سوداگر اسی لئے ڈھاکہ پہنچے ہوئے تھے۔ ادھر ڈھاکہ میں یہ مرغیاں ان سازشوں کو سی رہی تھیں۔ ادھر ایک سابق وزیر اور حالیہ انتخابات میں بری طرح شکست کھانے والے ایک امیدوار کے بھائی۔ پرنس صدر الدین کے اعزاز میں دئے گئے ایک ڈنر میں فرما رہے تھے کہ میں سندھ کا گورنر بننے والا ہوں اور نور خاں پنجاب کے گورنر پھر ہم مل کر پیپلز پارٹی کو ختم کر دیں گے۔ یہ گفتگو ان کوششوں کا عکس تھی جو ڈھاکے میں ہو رہی تھی۔ تمام شکست خوردہ سیاسی جماعتیں اسی سازش کی تکمیل کے لئے شور مچا رہی تھیں کہ اقتدار فوری طور پر شیخ مجیب الرحمٰن کو منتقل کیا جائے۔ یہ جلدی اس لئے تھی کہ اقتدار کی یہ بندر بانٹ آسانی سے ہو سکے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کے عوام کو قربانی کا بکرا بھی اسی سازش کے تحت بنایا۔ اور یہ صورتِ حال اس لئے پیدا کی کہ مشرقی پاکستان میں وہ اتنی اکثریت میں ہیں کہ امریکی مفادات کی باآسانی تکمیل کر سکتے ہیں جب کہ مغربی پاکستان میں اس کی تکمیل میں عوام کی طاقت رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ بلوچستان میں سردار اور سرحد میں ولی خان موجود ہیں لیکن پنجاب اور سندھ میں بہت مشکل ہے۔ حالانکہ یہی دو بڑے صوبے ہیں۔ اس کے لئے حل یہی تھا کہ اگر مجیب الرحمٰن صاحب کو مرکز میں اقتدار منتقل ہو جاتے تو صوبوں کے گورنر مقرر کرنے کا اختیار انہیں حاصل ہو جائے اور کبھی بھی ضرورت کے تحت گورنر راج قائم کیا جا سکے گا۔ مجیب الرحمٰن صاحب نے اسی لئے پیغام بھیج بھیج کر ولی خان، دولتانہ، مفتی محمود اور اے کے بروہی کو بلایا۔ لیکن مغربی پاکستان کے چار کروڑ عوام کی ترجمان پارٹی کے لیڈر کو نہ بلایا۔ جس طاقت کے بل بوتے پر وہ خود ڈٹے ہوئے ہیں۔ مغربی پاکستان کے ضمن میں اسی طاقت یعنی عوام کو جھٹلا دیا۔ مسٹر بھٹو نے بار بار پیش کش کی لیکن مجیب صاحب نے کوئی وقعت نہ کی۔ صدر صاحب نے اپنے طور پر دعوت دی۔ مسٹر بھٹو نے یہی شرط عائد کی کہ جب تک شیخ مجیب الرحمٰن بات چیت میں نہ بیٹھیں یا الگ سے بات چیت کے لئے تیار نہ ہوں اس وقت تک میں نہیں آ سکتا کیونکہ صدر صاحب سے تو میں بہت مل چکا۔ اپنا

کیا ہونے والا ہے

ڈھاکے میں عوامی لیگ کے ماہرین کے علاوہ اس وقت صدر یحییٰ کے مشیر اور مسٹر بھٹو کے مشیر بھی موجود ہیں۔ قومی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے اقتدار کی منتقلی کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔ یہ سطور آپ کی نظروں تک پہنچنے تک ممکن ہے کہ عبوری حکومت قائم ہو چکی ہو۔ اس وقت جن باتوں کے امکانات ہیں وہ "الفتح" کے قارئین کی اطلاع کے لئے درج ذیل ہیں:

۱۔ مارشل لاء حکام سے عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے کے لئے ایک "عبوری آئینی ڈھانچہ" بنایا جائے گا۔ جس کے تحت انتقال اقتدار ہوگا۔

۲۔ عبوری آئینی ڈھانچہ کے تحت قائم ہونے والی عبوری قومی حکومت میں عوامی لیگ کو چھ، پیپلز پارٹی کو تین، نیپ اور قیوم لیگ کو ایک ایک وزارت ملنے کا امکان ہے۔

۳۔ عبوری آئینی ڈھانچے کے تحت صوبوں میں حکومتیں قائم کی جائیں گی۔ پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی، بلوچستان اور سرحد میں مخلوط حکومتیں قائم ہوں گی۔ سرحد میں ممکن ہے قیوم لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان اشتراک ہو۔

۴۔ ان تمام امور کی انجام دہی کے لئے چونکہ وقت درکار ہوگا اس لئے اب کے مجیب صاحب سمیت تمام رہنما قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء پر متفق ہونگے۔

— —



پاکستان

بکاؤ مال بن کر رہ گیا ہے

نقطۂ نظر بھی کھل کر پیش کر چکا ہوں۔ ایک دن کے تعطل کے بعد پھر شیخ صاحب کی مدد سے ملاقات ہوئی۔ اور ادھر مغربی پاکستان کے عوام کے بھڑکے ہوئے جذبات کی خبریں پہنچیں تو شیخ صاحب نے مجبوراً ہاں کی اور انھیں احساس ہوا کہ مغربی پاکستان کو ان سامراجی دلالوں کے ہاتھوں خرید لینا ممکن نہیں ہے۔

امریکی روسی سازش کو اس مرحلے پر بھی مغربی پاکستان کے عوام نے ناکام بنا دیا ہے۔ سنگین حالات کے بعد اب مشرقی پاکستان میں بھی معقولیت کی صدائیں بلند ہونے لگی ہیں۔ مولانا بھاشانی نے کہا ہے کہ مغربی پاکستان سے مسٹر بھٹو کی آواز سنی جائے کیونکہ وہ وہاں کی اکثریت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طرح اب مشرقی پاکستان کے عوام کو بھی احساس ہو چلا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن مغربی پاکستان کے اقلیتی لیڈروں کے ساتھ مل کر کن سامراجی سازشوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اس وقت اگر پیپلز پارٹی اور مغربی پاکستان کے محب وطن افراد ان سازشوں کو بے نقاب کرنا شروع کر دیں۔ مغربی پاکستان کے غداروں نور خاں، اصغر خاں، نصر اللہ خاں، مفتی محمود، دولتانہ کے چہروں سے نقاب اٹھا رہے ہیں۔ تو مشرقی پاکستان کے عوام مغربی پاکستان کے عوام کے قریب آجائیں گے۔ مغربی پاکستان کے عوام —— مشرقی پاکستان کے عوام کا استحصال کرنے والے سرمایہ داروں کے خلاف اب اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ولیکا، ہارون، داؤد، آدم جی نے مغربی پاکستان کے عوام کا بھی کم استحصال نہیں کیا۔ اب مغربی پاکستان کے عوام انہیں معاف نہیں کریں گے۔ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے ممتاز رہنما معراج محمد خاں نے اپنے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی زیر ہدایت سرمایہ داروں، جاگیرداروں کا استحصال ختم کرنے کے لئے کارکنوں کو منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان سامراجی دلالوں کے خلاف یہ جدوجہد مشرقی پاکستان کے عوام کو یقین دلاتے گی کہ ان کے دشمن مشترک ہیں۔ اور انہیں یہ لڑائی مل جل کر لڑنی ہے۔ مسٹر بھٹو کی زیر قیادت مغربی پاکستان کے عوام کی جدوجہد پورے پاکستان میں استحصال کے خاتمے کے لئے ہے جبکہ شیخ مجیب الرحمٰن بنگلہ دیش کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرتے۔ ان کی حالیہ عدم تعاون کی تحریک نے بڑے سرمایہ داروں کو کوئی نقصان پہنچنے نہیں دیا۔ جبکہ مشرقی پاکستان میں بسنے والے عام مغربی پاکستانیوں اور غیر بنگالیوں کی جانیں اور املاک ضائع ہوئیں ادھر مغربی پاکستان میں چھوٹے تاجروں اور عوام کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی کے بروقت سیاسی اقدام سے مغربی پاکستان کو فروخت کر دینے کی سازش عارضی طور پر ناکام ہو گئی ہے۔ عبوری قومی حکومت کے قیام کی کوشش کی جا رہی ہے عبوری آئینی ڈھانچہ بن چکا ہے۔ اس پر مسٹر بھٹو کی رضامندی لی جائے گی۔ پھر اقتدار منتقل ہوگا۔ عبوری آئینی ڈھانچے کے ساتھ ہی قانونی ڈھانچہ ختم ہو جائے گا۔ قومی اسمبلی پھر مطلق الاختیار ادارہ ہو گی۔ اور پھر پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی طرح اس دستور ساز اسمبلی کو بھی اختیار ہو گا کہ وہ جتنے عرصے میں چاہے آئین بنائے۔ آپس کے اختلافات کے تحت خطرہ یہی ہے کہ آئین سازی لامتناہی عرصے تک رک جائے۔ اور اتنی دیر ایک عبوری حکومت کے تحت ہی کام چلے اور پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا بھی سکتی ہے۔ اب لوگ مسٹر بھٹو کے اس موقف کی اہمیت کا احساس کریں گے کہ اسمبلی کے اجلاس سے پہلے متنازعہ امور پر ملک کی دونوں سیاسی قوتیں آپس میں فارمولا بنا لیں۔ تاکہ اس کے تحت اسمبلی میں بیٹھ کر آئین بنائیں۔ اور مختصر مدت میں آئین بنا لینے کے بعد مارشل لاء حکومت سے اقتدار حاصل کر لیا جائے۔ اس صورت میں دونوں اکثریتی جماعتوں کی رضامندی کے باعث یہ دستور ملک کے عوام کی امنگوں کا ترجمان ہوتا۔ دونوں اکثریتی جماعتوں کی اتفاق رائے۔ اتنی بڑی طاقت ہوتی کہ اس کے بعد مارشل لاء مستقل طور پر ختم ہو جاتا۔ ان دونوں اکثریتی جماعتوں کے باہمی اتفاق کے بعد جو انتظامات وجود میں آتے وہ اس قدر مضبوط اور پائیدار ہوتے کہ پھر کسی غیر سیاسی قوت کو اقتدار ہاتھ میں لینے کی جرأت نہ ہوتی۔

اپنے خاص مفادات اور منصوبوں کے تحت شیخ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان کی اکثریت کو مستقل نظرانداز کر کے اب حالات کو اس نہج پر پہنچا دیا ہے کہ اب مستقل انتظامات کی بجائے عبوری انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ اور مستقل حکومت کی بجائے عبوری حکومت قائم کی جا رہی ہے۔ مستقل آئین کی بجائے عبوری آئینی ڈھانچہ تیار کیا جا رہا ہے۔ نہ جانے یہ عبوری دور کب تک چلے اور عوام کے سر پر غیر معمولی طاقتوں کا سایہ منڈلاتا رہا ہے۔ عبوری قومی حکومت کا قیام نیک شگون کی بجائے ایک نہایت ہی بدشگون ہے۔

کیا کیا خطرات درپیش ہیں؟

اس وقت حالات بظاہر معمول پر آتے دکھائی دے رہے ہیں لیکن گذشتہ بحران کے جو سیاسی عوامل تھے، وہ عبوری حکومت کے قیام سے ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ کچھ دیر کے لئے دب ضرور جائیں گے۔ "الفتح" کے ذریعے ہم محب وطن افراد کو درپیش خطرات سے آگاہ کر رہے ہیں جن کے لئے ہر لمحہ تیار رہنا چاہیئے۔ ہم ان خطرات کو الگ سے قلم بند کر رہے ہیں۔

۱۔ عبوری آئینی ڈھانچے کے تحت عبوری قومی حکومت اور عبوری صوبائی حکومتیں بن جانے کے بعد ملک کا نظم و نسق عوامی نمائندوں کے ہاتھ آجائے گا۔ وہ اس نظم و نسق میں مصروف ہوں گے۔ قومی اسمبلی کا اجلاس ہوگا۔ اجلاس میں قومی اسمبلی کو "مطلق الاختیار" قرار دیا جائے گا۔ قانونی ڈھانچہ خود بخود ختم ہو چکا ہو گا۔ اس لئے اسمبلی کا اجلاس جاری رہے گا۔ نہ جانے کب تک دستور سازی کی تکمیل نہ ہو سکے اور یہی عبوری آئین ہی چلتا رہے۔

۲۔ عوامی لیگ چھ نکات کو نہیں چھوڑے گی اور مغربی پاکستان چھ نکات کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اس لئے سیاسی طور پر مشرقی اور مغربی بازو میں فاصلے بڑھتے رہیں گے۔

۳۔ عبوری قومی حکومت ایک مستقل قومی حکومت کی نسبت کمزور اور کم اختیارات کی مالک ہو گی۔ اس لئے اس کا زیادہ دیر تک چلنا ملک کے مستقل مفاد میں نہ ہو گا، سرمایہ دار جاگیردار اس طرح اجارہ دار رہیں گے۔

۴۔ عوامی نمائندوں پر مشتمل ہونے کے باوجود عبوری قومی حکومت مطلق الاختیار نہ ہو گی۔ اور غیر سیاسی طاقتیں ملک کے نظم و نسق پر پھر بھی حاوی رہیں گی۔

۵۔ عبوری قومی حکومت کے دوران تمام تر توجہ داخلی مسائل پر رہے گی۔ اس لئے بین الاقوامی دنیا میں پاکستان کا مقام گرتا جائے گا۔

۶۔ سنا گیا ہے کہ عبوری قومی حکومت کے قیام کے فوراً بعد مجیب صاحب پاکستانی کرنسی کی قیمت گرانا چاہتے ہیں۔

۷۔ یہ بھی خبر ہے کہ ڈھاکہ کے راستے شنگھائی جانے والی پی آئی اے کی سروس بھی ختم کر دی جائے گی۔

۸۔ عبوری قومی حکومت کا قیام جس قدر طویل ہو گا۔ اقتصادی مسائل اتنے ہی الجھتے جائیں گے کیونکہ حتمی اختیارات کسی کے پاس بھی نہیں ہوں گے۔

قصۂ کاغذی شیروں کا

یتیموں کی فریاد سن لیجئے گا!

شوکت صدیقی

بچو! اس سیاست نامے کا پہلا سبق تقریب ملاقات ہے۔ یعنی آج ہم تمہاری ملاقات ایسی شخصیتوں سے کرائیں گے جنھیں عرف عام میں سیاست دان کہا جاتا ہے۔ سیاست دان وہ ہوتا ہے جو سیاست کا کاروبار کرتا ہے۔ اسے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے صبح اٹھ کر دفتر نہیں جانا پڑتا۔ نہ ہماری طرح دماغ کا تیل نکالنا پڑتا ہے۔ نہ دکان پر بیٹھ کر دن بھر گاہکوں سے جھک جھک کرنی پڑتی ہے۔ نہ اسے محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے۔ نہ کھیت میں ہل چلانا پڑتا ہے۔ یہ کام عوام کا ہے۔ سیاست دان کا کام لیڈری کرنا ہے۔ وہ اچھا کھاتا ہے۔ اچھا پہنتا ہے۔ کوٹھی میں رہتا ہے۔ موٹروں میں گھومتا ہے۔ اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتا ہے۔ وہ جاگیردار ہوتا ہے۔ سیٹھ اور ساہوکار ہوتا ہے۔ کچھ نہیں ہوتا تو ان کا ایجنٹ ہوتا ہے۔

اے بچے! تم کیوں ہاتھ ہلا رہے ہو؟ اچھا! اچھا! تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ ایجنٹ کسے کہتے ہیں۔ ایجنٹ کو اردو میں دلال کہتے ہیں۔ اور ہندی میں؟ ٹھہرو! ذرا غور کر لینے دو۔ بھئی ٹھیک سے یاد نہیں ویسے جدید ہندی میں وکیل کو بھاڑو کہتے ہیں۔ خیر تم اس ہندی کی چندی کو چھوڑو۔ کام کی بات سنو۔ ہاں! تو ایجنٹ وہ ہوتا ہے جو کمیشن وصول کرتا ہے۔ جاگیردار۔ کسانوں کا استحصال کرتا ہے۔ ایجنٹ اس کا بھی کمیشن پاتا ہے۔

اے ننھے! بار بار ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ ہمیں معلوم ہے تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ تم یہی پوچھنا چاہتے ہو نا کہ استحصال کسے کہتے ہیں۔ استحصال کو محاورے میں کھال ادھیڑنا کہتے ہیں۔ روزمرہ میں لوٹ کھسوٹ کہتے ہیں۔ یہ خالص سیاسی اصطلاح ہے۔ اس کی خالص تعریف چوری اور سینہ زوری ہے۔ ٹھیٹ اردو میں اس کا مطلب یہ ہے کہ محنت کریں چھکن خاں، فائدہ اٹھائیں ظفر تم خاں۔ یعنی دکھ سہیں بی فاختہ کوے انڈے کھائیں۔ علم صرف میں استحصال کو فعل مجہول کہتے ہیں۔ فعل مجہول وہ ہوتا ہے جب فعل کا فاعل معلوم نہ ہو اور مفعول ہی اس کا قائم مقام ہو۔ تعزیرات پاکستان میں استحصال بالجبر سنگین جرم ہے۔ نقب زنی اور ڈاکہ زنی کے مترادف ہے۔ سزا اس کی جرمانہ اور قید با مشقت ہے۔ لیکن جاگیرداری اور سرمایہ داری چونکہ استحصال محنت ہے۔ لہٰذا قانون کی رو سے جائز ہے۔

بھئی اے بچے! تم کیا چاہتے ہو۔ سیاسی پارٹیوں کے جھنڈے کی طرح ہاتھ ہلاتے ہو۔ کیا کہا؟ قانون! یعنی تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ قانون کی رو سے محنت کا استحصال کیوں جائز ہے۔ بخت گھامڑ ہو۔ تم یہ نہیں جانتے کہ قانون کون بناتا ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ قانون، قانون ساز اسمبلیاں بناتی ہیں جنھیں پارلیمنٹ کہتے ہیں۔ پارلیمنٹ خود کچھ نہیں ہوتی۔ یہ منتخب ممبروں سے بنتی ہیں۔ منتخب ممبر کون ہوتا ہے؟ جو الیکشن لڑتا ہے۔ الیکشن کون لڑتا ہے؟ الیکشن مزدور نہیں لڑتا۔ کسان نہیں لڑتا۔ دانشور نہیں لڑتا۔ ہماری طرح کا کوئی چھٹ بھیا الیکشن نہیں لڑتا۔ البتہ الیکشن عوام کے نام پر لڑا جاتا ہے یا الیکشن میں عوام لڑائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جیسے پتنگ بازی میں پیچ لڑائے جاتے ہیں۔ کوئی ڈھیل کا پیچ لڑاتا ہے۔ کوئی کھینچ کا۔ جس کا مانجھا تیز ہوتا ہے۔ اور جس کی چرخی پر قابو ہوتا ہے وہ ہاتھ کی صفائی دکھا جاتا ہے۔ یعنی حریف کی ضمانت ضبط کرا دیتا ہے۔

یہ سیٹیاں کون بجا رہا ہے؟ دیکھو بھئی مجھے یہ حرکتیں بالکل پسند نہیں۔ بے صبرے نہ بنو۔ ابھی بتاتا ہوں۔ الیکشن صرف سیاست دان لڑتے ہیں۔ اور سیاست دانوں کی تعریف ہم تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ سیاست دان الیکشن لڑتے ہیں اور جب الیکشن جیت لیتے ہیں تو اسمبلی میں بیٹھ کر قانون بناتے ہیں۔ اسے دستور بھی کہتے ہیں۔ کچھ لوگ آئین کہتے ہیں۔ انگلستان کو ملک بے آئین کہتے ہیں۔ مگر وہاں مملکت بھی قائم ہے اور حکومت بھی چل رہی ہے۔ انگریزوں نے آئین کا ٹنٹا نہیں پالا۔ اس میں سیاسی بحران کا خطرہ ہے۔ ایسا ہی جیسا آج کل ہمارے ملک میں پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی آئین پر معرکہ کارزار گرم ہے۔

اچھا بچو! اب ہم تمہیں سیاست دانوں کے کچھ نمونے دکھاتے ہیں۔ سنبھل کر بیٹھ جاؤ۔ دیکھو شور نہ مچانا۔ بات بات پر قہقہے نہ لگانا۔ تالیاں صرف اس وقت بجانا جب تمہیں اشارہ کیا جائے۔ سمجھ گئے۔ اچھا اب ہیں پردہ اٹھتا ہوا۔ یہ صاحب جن کا قد چھوٹا ہے۔ چہرہ نپولین بوناپارٹ سے ملتا جلتا ہے۔ یا ملتا جلتا بنا لیا گیا ہے۔ ان کو کوتاہ قد نہ جانو۔ یہ بہت قد آور ہیں۔ کچھ زیر زمین ہیں کچھ بالائے زمین ہیں۔ یہ سوٹ پہنے ہیں۔ نہیں! شیروانی میں ہیں۔ بھئی ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا ذرا میں عینک لگا لوں۔ لاحول ولا قوۃ! نہ جانے یہ کم بخت کہاں چلی گئی۔ خیر! کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ سوٹ میں ہوں یا شیروانی میں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہرحال یہ وہی ہیں۔ مجھے یقین ہے وہی ہیں۔ ڈرو نہیں۔ یہ صرف غراتے ہیں۔ یعنی گرجتے ہیں اور جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔ اے ننھے! ہاتھ نہ لگاؤ یہ دھاریاں اصلی نہیں۔ نقلی ہیں۔

بچو! کچھ کام کے شیر ہوتے ہیں۔ کچھ نام کے شیر ہوتے ہیں۔ کچھ جنگل کے شیر ہوتے ہیں کچھ قالین کے شیر ہوتے ہیں۔ نہ یہ جنگل کے شیر ہیں نہ یہ قالین کے شیر ہیں۔ یہ کاغذی شیر ہیں۔ کاغذی شیر وہ ہوتے ہیں جو صرف کاغذ پر نظر آتے ہیں۔ تم نے انھیں اکثر اخبارات میں دیکھا ہوگا۔ یہ اخبارات میں صرف اس وقت نظر آتے ہیں جب کوئی بیان جاری کرتے ہیں۔ یہ ہر موقع پر جھٹ پٹ بیان دیتے ہیں۔ موقع نہ بھی ہو تو موقع نکال کر بیان دیتے ہیں غرضیکہ ان کا کام بیان کی توپ داغنا ہے۔ اے بچے! تم ہنس کیوں رہے ہو؟ اچھا تمہیں وہ مداری یاد آ گیا جس کا طوطا ایک آنے میں توپ داغتا ہے۔ بھئی ویسے یہ ہے تو بدتمیزی۔ جاؤ! اس دفعہ تمہیں معاف کر دیا۔ آئندہ ایسی حرکت کی تو مرغا بنا دوں گا۔ بڑوں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔

تم پوچھو گے کہ یہ بیان کیوں جاری کرتے ہیں؟ بھئی یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ یہ مرکزی وزیر اطلاعات رہ چکے ہیں۔ اب تم یہ بھی پوچھو گے کہ وزیر اطلاعات کون ہوتا ہے؟ وزیر اطلاعات وہ ہوتا ہے جو عوام کو بے خبر رکھتا ہے۔ البتہ ان میں ایک وصف ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ عوام کو بھی بے خبر رکھتے تھے اور خود بھی بے خبر رہتے تھے۔ یہ اخبار

نقلی نپولین چلتی پھرتی سیاسی جماعت ہے

توسیوں کو ملازمتوں سے برطرف کرواتے تھے۔ مبادا وہ عوام تک صحیح خبر نہ پہنچا دیں۔ قصہ کوتاہ! ذکر تھا ان کے مرکزی وزیر ہونے کا۔ بھئی جو وزیر ہو جاتا ہے وہ لیڈر بن جاتا ہے۔ سیاست دان بن جاتا ہے۔ معاف کرنا، میں تمھیں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ وزیر بھی سیاست دان ہو سکتے ہیں۔ اسے چور دروازے سے سیاست میں داخل ہونا کہتے ہیں غلط کہتے ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں۔

اے بچے! تو بہت چونچال لگتا ہے۔ کیوں بار بار ہاتھ اٹھاتا ہے۔ پوچھ کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ یہ وزیر نہیں سرکاری ملازم تھے۔ بھئی اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سرکاری ملازم تو چودھری محمد علی بھی تھے۔ اصغر خاں بھی تھے۔ نور خاں بھی تھے کیا یہ سیاست دان نہیں ہیں؟ کیا تم اخبارات میں ان کے بیانات نہیں پڑھتے؟ چلو بیٹھ جاؤ۔ اب ایسا احمقانہ سوال نہ پوچھنا۔ ہاں! تو میں یہ بتا رہا تھا کہ یہ بیان کیوں جاری کرتے ہیں۔ یہ بیان اس وقت جاری کرتے ہیں، جب ان کے پیٹ میں عوام کا درد 'مروڑ' بن کر اٹھتا ہے۔ تم پوچھو گے کہ یہ عوام میں کیوں نہیں جاتے۔ بھٹو کی طرح بڑے بڑے جلسے کیوں نہیں کرتے؟ بھئی جلسہ کرنے کے لئے حاضرین کی ضرورت ہوتی ہے۔ مودودیت کے زوال کے بعد اب کراتے پر بھی انھیں حاضرین نہیں ملتے۔ اور اگر ملتے ہیں تو اس میں لباس کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ انھیں گندے انڈوں اور سڑے ہوتے ٹماٹروں سے سخت نفرت ہے۔ عوام ایسے جلسوں میں اپنی رائے کا اظہار اسی طرح کرتے ہیں۔ پھر اس میں یہ بھی تو نکتہ ہے کہ جب بیان بازی سے کام چل جائے تو جلسہ کرنے کا جھمیلا کیوں مول لیا جائے۔ یہ بھٹو سے اس لئے خار کھاتے ہیں۔ جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں کہ وہ لاکھوں کا مجمع لگاتے ہیں اور ان کے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ حکومت نے فٹ پاتھ پر مجمع لگانا بھی خلاف قانون قرار دے دیا ہے۔

بچو! یہ اخبارات میں بیان اسلئے بھی چھپواتے ہیں کہ بہت قابل آدمی ہیں۔ نظریہ پاکستان کے جملہ حقوق ان کے پاس محفوظ ہیں۔ جب سے یہ وزارت سے علیحدہ ہوتے ہیں پاکستان ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب صرف نظریہ رہ گیا ہے۔ یہ نظریہ کیا ہوتا ہے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ہمیں بھی معلوم نہیں۔

نواب زادہ صاحب! اس مسئلہ پر آپ ہی کچھ روشنی ڈالیں۔ جی کیا فرمایا؟ ذرا زور سے بولیں۔ معاف کیجئے گا میں کچھ اونچا سنتا ہوں۔ اچھا تو یہ بات ہے یعنی آپ مودودی صاحب سے پوچھ کر بتائیں گے۔ سن لیا تم نے بچو! ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ بہت قابل آدمی ہیں۔ حال ہی میں یہ انکشاف انھوں نے کیا تھا کہ بھٹو نے چونکہ اقتصادی پروگرام پہ انتخاب لڑا تھا لہٰذا دستور پر بات کرنے کا انھیں کوئی حق نہیں۔ دیکھا تم نے بچو! بھئی یہاں تو ہم بھی قائل ہو گئے۔ کیا سولہ آنے کھری بات کہی ہے۔ بھلا دستور سے معیشت۔ کا کیا تعلق۔ وہ تو قوانین کا مجموعہ ہوتا ہے اور قوانین صرف حکومت چلانے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق نہ ملک کی ترقی سے ہوتا ہے نہ عوام کی خوشحالی سے ہوتا ہے۔ معیشت 'معیشت ہوتی ہے۔ دستور' دستور ہوتا ہے۔ حکومت' حکومت ہوتی ہے۔ عوام عوام ہوتے ہیں۔ ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ! کیا بات پیدا کی ہے۔ کیا نکتہ نکالا ہے۔ میں نے سچ کہا تھا نا کہ یہ بہت قابل آدمی ہیں۔ قوم کو یہ ایسے ہی مشورے دیتے ہیں اور مفت دیتے ہیں۔ اس کا کوئی ہدیہ بھی نہیں لیتے۔

بچو! یہ کسی سیاسی جماعت کے رکن نہیں۔ یہ خود اپنی ذات میں انجمن ہیں۔ یعنی چلتی پھرتی سیاسی جماعت ہیں۔ پہلے یہ کہتے تھے کہ عوام کا مسئلہ روٹی نہیں ایمان ہے۔ اب یہ ایمان سے زیادہ دستور پر زور دیتے ہیں۔ پہلے یہ مودودی کے مرید تھے۔ اب انھوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ پہلے انھیں شیخ مجیب میں خطرہ ایمان اور خطرہ پاکستان دونوں نظر آتے تھے۔ اب انھیں شیخ مجیب 'محافظ اسلام' اور محافظ پاکستان نظر آتے ہیں۔ تم پوچھو گے کہ یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی؟ سیاست کی اصطلاح میں اسے پینترے بازی کہتے ہیں۔ یعنی چلو تم اُدھر کو' ہوا ہو جدھر کی۔

اے بچے! بھئی تم باز نہیں آؤ گے۔ تم سے ایک کل چین سے نہیں بیٹھا جاتا۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ کیا کہا؟ انھیں بیان بازی کا کیا حق حاصل ہے؟ اے نابکار! قوم کو سبق دینے کا حق انھیں حاصل نہیں ہو گا تو کیا ہمارے ایسے ایرے غیرے نتھو خیرے کو ہو گا۔ ہم جھک مارتے ہیں اللہ یہ عیش کرتے ہیں۔ نہ انھیں کھانے کی فکر ہے۔ نہ کمانے کی۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ اور جس کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ سیاست لڑاتا ہے۔ قیادت کرتا ہے۔ حکمرانی کرتا ہے۔ اس بات کو گرہ میں باندھ لو۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ نقطہ نظر غلط ہے کہ قیادت جدوجہد سے ابھرتی ہے۔ لیڈر عوامی جدوجہد سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ننگوں اور بھوکوں کا فلسفہ ہے۔ پیٹ بھروں کا فلسفہ ہے کہ لیڈر خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ وہ پیدائشی لیڈر ہوتے ہیں۔ دین، دولت کے ساتھ انھیں لیڈری بھی ورثہ میں ملتی ہے۔ انھیں کسی جدوجہد کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ بھلا یہ سیاست کیوں نہ بگھاریں۔ گرہ سے ان کی کیا جاتا ہے۔ ہلدی لگتی ہے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آتا ہے۔ یعنی صرف بیان جاری کرنا پڑتا ہے۔ تم پوچھو گے کہ اخبارات ان کے بیانات کیوں چھاپتے ہیں؟ سخت کوڑھ مغز ہو۔ اخبارات ان کے بیانات نہ شائع کریں گے تو ہمارے ایسے کسی چھٹ بھئیے کا بیان چھاپیں گے۔ بڑے آدمی کی بات بڑی ہوتی ہے۔ چھوٹے آدمی کی بات چھوٹی ہوتی"

مودودیت کے زوال کے بعد
اب کرائے پر بھی
انھیں حاضرین نہیں ملتے

ہے۔ کیا کہا؟ ذرا ایک بار پھر کہنا۔ پوری بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اچھا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ کیوں بھئی عوام کو کیوں نہ گمراہ کریں۔ اگر انھیں گمراہ نہ کریں گے تو پھر کٹ میں وزارت و سفارت کیسے ہاتھ آ جاتی۔ بھئی عوام کو گمراہ کرنا بھی ایک فن ہے اور یہ اس فن کے استاد مام دنیا ہیں۔

اُو! بھئی تم نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا۔ منع بھی کیا تھا کہ بے موقع تالیاں نہ بجانا۔ اشارے کا بھی انتظار نہ کیا اور شروع ہو گئے۔ اچھا بھئی اب یہ تالیوں کا سلسلہ ختم کرو اور کام کی بات سنو۔ بچو! یہ تو تم جان ہی گئے ہو گے کہ یہ بزرگ کون ہیں پھر وہی شور۔ سن لیا بابا، سن لیا۔ ہاں ہاں یہ نوابزادہ شیر علی خاں ہیں ان کے علاوہ ایسی زنگارنگ اور ہمہ صفت شخصیت کس کی ہو سکتی ہے۔

اچھا اب ان سے اجازت لو اور ان سے ملو۔

پھر وہی بھانت بھانت کی بولیاں۔ وہی ہنگامہ وہی شور۔ نہیں بھئی یہ وہ نہیں ہیں۔ جو تم سمجھ رہے ہو۔ میری عینک کہاں گئی۔ کم بخت کو آج ہی غائب ہونا رہ گیا تھا۔ اچھا تو یہ شیروانی میں ہیں۔ ترکی ٹوپی لگاتے ہیں۔ حقہ بھی گڑ گڑا رہے ہیں۔ تو یہ ضرور نوابزادہ نصراللہ خاں ہوں گے۔ وہی ہوں گے۔ بھئی صاف نظر نہیں آ رہا ہے۔ غالب کو عشق نے نکما کر دیا تھا اور ہمیں عینک نے۔ نکمہ نہیں بلکہ سور داس بنا دیا ہے۔ کیا کہا یہ سیاسی سور داس ہیں؟ کیا بک رہے ہو؟ جو منہ میں آیا بھڑ سے کہہ دیا نہ سوچتے ہو۔ نہ سمجھتے ہو۔ میں یہ بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا۔ ابھی کان پکڑ کر کلاس سے باہر کر دوں گا۔ سور داس تو میں نے اپنے بارے میں کہا تھا۔ یہ تو نین سکھ ہیں۔ نہیں بھئی ان کا شیر علی سے کوئی رشتہ نہیں۔ ٹھہرو! ذرا سوچنے دو۔ ان کا رشتہ شیر علی سے ہو سکتا ہے۔ شجرہ نسب تلاش کرنا ہو گا۔ چوتھی یا پانچویں پشت میں ان کا رشتہ ضرور ملتا ہو گا۔ دونوں نوابزادے ہیں۔ دونوں جاگیردار ہیں۔ دونوں سیاست دان ہیں۔ دونوں یوسف بے کارواں ہیں۔ بچو! یوسف بے کارواں' اسے کہتے ہیں جس کا کوئی سنگی ساتھی نہ ہو۔ جو مٹر ٹو اکیلا پھرتا ہو۔ اور کوئی منہ نہ لگاتا ہو۔ اللہ کسی پر ایسا وقت نہ ڈالے کہ اپنے بیگانے ہو جائیں۔ ایک کو الیکشن لڑ کر یہ دن دیکھنا پڑا۔ دوسرے کو الیکشن لڑا کر۔ دونوں راندہ درگاہ ہوتے۔ ایک کی لیڈری گئی۔ دوسرے کی وزارت۔ کہتے ہیں چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ سو اب یہ بیان بازی کر کے شوق پورا کرتے ہیں۔

بچو! ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ یہ نوابزادہ نصراللہ خاں ہیں۔ ان کی ایک سیاسی پارٹی بھی تھی جو اللہ کو پیاری ہو گئی۔ مرحومہ کا نام پی ڈی پی تھا۔ کچھ لوگ اسے پولیٹیکل ڈھونگ پارٹی کہتے تھے۔ لیکن وہ حقہ ٹوپی پارٹی کے نام سے مشہور ہوئی۔ نصراللہ خاں حقہ پیتے ہیں۔ اچکن پہنتے ہیں۔ ترکی ٹوپی لگاتے ہیں۔ ٹریڈ مارک؟ یہ کون بیچ میں بولا۔ نہیں بھئی۔ یہ ان کا ٹریڈ مارک نہیں۔ اسے وضعداری کہتے ہیں۔ اردو میں وضعداری کو طمع سازی بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں گٹ اپ اور ہندی میں سوانگ رچانا کہتے ہیں۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ نقل پہ اصل کا گمان ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں بہروپیے ہوتے تھے۔ وہ نت نئے بہروپ بھر کر آتے۔

رئیسوں کے حضور جاتے اور منہ مانگا انعام پاتے۔ ہائے! اب وہ نہ رئیس رہے اور نہ بہروپیے۔ صرف نوابزادہ نصراللہ خاں رہ گئے ہیں۔ ان کا دم غنیمت ہے۔ لیکن ان کی اس ادا پہ کوئی لے لوٹ نہ ہوا۔ کوئی فریفتہ نہ ہوا۔ کئی بار انہوں نے نئی شیروانیاں بنوائیں۔ نئی ٹوپی منگوائی حقے کو تازہ دم کیا۔ آئینہ میں اپنی سج دھج دیکھی مگر وزارت نہ ملی۔ کبھی محترمہ فاطمہ جناح کا الکشن ہار گیا۔ کبھی ایوب خاں کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ناکام ہوگئی۔ ان کی امیدوں پہ اوس پڑ گئی۔ اب یہ صرف حسرت کی نگاہ سے شیخ مجیب الرحمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ صدا لگاتے ہیں۔ لے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی۔ لیکن کوئی ان کی فریاد نہیں سنتا۔ لوگوں کے دل کٹھور ہو گئے ہیں۔

اے بچے! تو رو کیوں رہا ہے؟ بہت رحم دل معلوم ہوتا ہے۔ کیا کہا؟ انہیں دیکھ کر پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ بھلا بتا کیوں درد ہوتا ہے؟ ان کی تقریر سے ڈر لگتا ہے۔ اچھا اچھا! رونا دھونا ختم کر۔ ہم ان سے تقریر نہیں کرائیں گے۔ ویسے یہ بے انصافی ہوگی۔ ایک مدت بعد انہیں تقریر کرنے کا موقع ہاتھ لگا تھا تو نے ستیہ گرہ کر کے ناکام بنا دیا۔ چلو کوئی بات نہیں۔ یہ ایک بیان دے کر دل کا بخار ہلکا کر لیں گے۔

بچو! اب ذرا اس طرف دیکھو۔ یہ صاحب جو اینٹھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور روٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ اصغر خاں ہیں۔ ان کے برابر بیٹھے ہیں — اکبر خاں! نہیں بھئی۔ یہ نور خاں ہیں بیچ بیچ میں لقمہ نہ دیا کرو۔ بری بات ہے۔ کیا کہا؟ یہ سیاست کیوں بگھارتے ہیں۔ کیوں؟ کیا سیاست بگھارنے پر کوئی پابندی ہے۔؟ کیا ہم نے تمھیں نہیں بتایا تھا کہ جو کھاتا پیتا آدمی ہوتا ہے وہ سیاست کا طوطا پالتا ہے۔ اتنے جلدی آموختہ بھول گئے۔ آگے کا سبق کس طرح یاد رکھو گے۔ اچھا ایک بار پھر کان کھول کر سن لو۔ دیکھو جس آدمی کے پاس دولت ہوتی ہے وہ اپنی دولت بڑھاتا ہے۔ کہتے ہیں پیسے کو پیسہ کماتا ہے۔ کچھ لوگ بنک اور انشورنس کمپنیاں بناتے ہیں۔ کارخانے اور فیکٹریاں لگاتے ہیں صنعتیں قائم کرتے ہیں۔ کچھ لوگ سیاست کا کاروبار کرتے ہیں۔ جو لوگ سیاست کا کاروبار کرتے ہیں۔ وہ لابی مین کہلاتے ہیں۔ تم سوچتے ہو گے کہ گڈ مین، بیڈ مین، ملک مین تو سنا ہے۔ یہ لابی مین کیا بلا ہے۔ لابی مین وہ ہوتا ہے جو سیاست کے ذریعہ صنعت کاروں کی لابی کرتا ہے۔ لابی کرنا بھی ایک صنعت ہے۔ گرامر میں اسے صنعت لف و نشتر کہتے ہیں۔ لف کا مطلب ہے پھیلانا، بڑھانا نشتر کے معنی بھی پھیلانا اور بڑھانا ہے۔ یعنی تشہیر کرنا۔ علم بیان کی اصطلاح میں یہ ایسی صنعت ہے۔ جس میں پہلے چند چیزیں بیان کی جائیں۔ پھر چند اور چیزوں کا ذکر کیا جائے جو پہلی چیزوں سے نسبت رکھتی ہوں۔ لیکن اس طرح کہ ہر ایک کی نسبت اپنے منسوب الیہ سے ہو۔

بھئی اس قدر شور نہ مچاؤ۔ ابھی بتاتا ہوں کہ منسوب الیہ کسے کہتے ہیں۔ منسوب الیہ سے مراد ہے سیٹھ اور ساہوکار۔ یعنی سرمایہ دار۔ اچھا تو اب تمہاری سمجھ میں آ گیا کہ لابی مین کسے کہتے ہیں۔ اس کا کام کیا ہوتا ہے۔ وہ کس کی خدمت انجام دیتا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ لابی

اخباری سیاست دانوں کو
دولت کے ساتھ لیڈری ورثے میں ملتی ہے

مین سیاست کرتا ہے۔ سرمایہ دار استحصال کرتا ہے۔ لابی مین سرمایہ دار کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ جب ان مفادات کو خطرہ میں پاتا ہے۔ بیان بازی کرتا ہے۔ جلسے کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو اس کا کاروبار ٹھپ ہو جائے۔ لابی مین عوام کے غم میں آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے۔ کبھی کبھی سرمایہ داروں کو بھی برا بھلا کہتا ہے۔ اسے سیاسی حکمت عملی کہتے ہیں۔ لابی مین ملکی سرمایہ داروں کا بھی حق نمک ادا کرتا ہے اور غیر ملکی سرمایہ سرمایہ داروں کا بھی۔ غیر ملکی سرمایہ داروں کو سامراج کہتے ہیں۔ بچو! سامراج اس سرمایہ داری کو کہتے ہیں جو اجارہ داری کرتی ہے۔ یہ اپنے ملک کے عوام کا بھی استحصال کرتی ہے اور ہمارے ایسے غریب ایشیائی اور افریقی ملکوں کے عوام کا بھی استحصال کرتی ہے۔

بچو! تم پوچھو گے کہ شیر علی خاں، نصراللہ خاں، اصغر خاں، نور خاں اور ممتاز محمد خاں دولتانہ، قطار اندر قطار ایک ساتھ کیوں بیٹھے ہیں۔ یہ تمام خواتین اس طرح اکٹھے کیوں ہوگئے ہیں؟

شور مچایا۔ یہ میاں طفیل محمد خاں لنترانہ نہیں ہیں یہ غلط ہے کہ یہ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے بھائی بند ہیں۔ یہ صرف میاں طفیل محمد ہیں۔ نہ یہ خان ہیں۔ نہ لنترانہ ہے۔ بھئی لنترانہ کوئی لفظ نہیں۔ لنترانی ہوتا ہے۔ لنترانی کے معنی ڈینگ مارنا، شیخی بگھارنا ہے۔ سب ایک ساتھ نہ بولو۔ تمہارا مطلب لنترانی سے تھا۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ ویسے یہ ملا جی بولتے زیادہ ہیں اور جو بولتے ہیں اسے تولتے کم ہیں۔ اسی لئے مودودی صاحب ان کی زبان پہ اکثر کرفیو لگاتے رہتے ہیں۔ مگر یہ باز نہیں آتے جب موقع ملتا ہے اپنی سی کر جاتے ہیں۔ پھر انہوں نے خود ہی چپ کا روزہ رکھ لیا۔ الیکشن بری بلا ہے اس نے بڑے بڑوں کی بولتی بند کرا دی۔ جو اس میں ہار گیا کام سے۔ پلٹ کر رسید بھی نہ دی۔ پچھلے تین ماہ سے یہ "تلاش گم شدہ" کے کالموں میں نظر آتے تھے۔ اب بیانات میں نظر آتے ہیں۔ مودودی صاحب نے نقاب ڈالی۔ یہ بے نقاب ہوئے۔

حالانکہ سب کی پارٹیاں الگ الگ ہیں۔ ٹھیک خیال ہے تمہارا۔ مگر مقصد سب کا ایک ہے۔ جب ہی تو یہ پیپلز پارٹی کے خلاف ہیں۔ آجکل یہ بیان بازی کرتے ہیں۔ پہلے ان کے لئے بیان تیار کئے جاتے تھے۔ پھر ایک ایک نقل ہر ایک کو تھما دی جاتی ہے۔ یہ اس پہ دستخط کر دیتے ہیں۔ بیان جاری ہو جاتے ہیں۔ آجکل یہ سب ایک ہی تھر میں، ایک ہی تال پہ صدا لگاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

یتیموں کی فریاد سن لیجئے گا

ارے کم بخت! تم نے یہ کورس کیوں شروع کر دیا۔ کیا تمہارے خیال میں یہ سیاسی یتیم ہیں؟ بھلا یہ سیاسی یتیم کیوں ہونے لگے۔ ان کے دم قدم سے تو بازار سیاست کی رونق ہے۔ بھئی حد کر دی تم نے۔ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ ورنہ سب کو ایک قطار میں مرغا بنا دوں گا۔ میں اپنی کلاس میں اس قسم کی ہوٹنگ برداشت نہیں کر سکتا۔

اچھا بچو! اب ان سے ملو بھی پھر تم نے

قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

یہ کون شرط بد رہا ہے؟ اسے میرے پاس بھیجو۔ نامراد کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ ان کا لباس ہے یونیفارم نہیں۔ ہاں! تو یہ میاں محمد طفیل ہیں۔ ان کے ذکر پر ہمیں طلسم ہوشربا کا ایک کردار یاد آیا۔ مرقوم ہے کہ جب افراسیاب خانہ خراب مسلمانوں کی فوج ظفر موج سے شکست کھا کر بھاگا، تو طلسم ہفت بلا پہنچا۔ اس کے سات حجرے تھے۔ ہر حجرے میں ایک بلا تھی۔ پہلا حجرہ کھولا تو مشعل جادو برآمد ہوا۔ یہ عجیب مسخرا جادوگر تھا۔ حرکات ناشائستہ کرتا۔ قہقہے لگاتا۔ مسلمانوں کی فوج کے سامنے لاف زنی کرتا۔ شہزادہ اسد بن کرب کو اس لاف زنی پر طیش آیا۔ اس نابکار کو للکارا۔ غضب کا رن پڑا۔ اسد بن کرب نے شمشیر آبدار کا ایسا ہاتھ مارا۔ جھنڈا سا کھل گیا۔ ہر طرف کہرام برپا ہوا۔ لات و منات نے شور مچایا۔ چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔ زبردست آندھی آئی۔ جب آندھی کا زور ٹوٹا تو آواز آئی ہیہات مشعل جادو لٹو۔ شہزادہ اسد سجدہ شکر بجا لائے۔ فتح و ظفر کے شادیانے بجائے گئے۔ ابھی شادیانے بج رہے تھے کہ ایک طرف سے صدا آئی ہم مشعل جادو! شہزادہ اسد نے پلٹ کر دیکھا مشعل جادو دوسرے قالب میں سر پر موجود تھا۔ قہقہے لگاتا تھا۔ لاف زنی کرتا تھا۔ اسد نے جھنجھلا کر تیغ آبدار کا وار کیا۔ اس کے جسم میں کو چورنگ ہوائی گیا۔ پھر تاریکی چھائی۔ پھر آندھی آئی۔ پھر کہرام پڑا۔ یہ بار بار مرتا اور کسی دوسرے قالب میں زندہ ہوتا۔ عمرو عیار جو دانائے روزگار تھے۔ عیاروں کے عیار تھے۔ انھوں نے معاملے کی تہہ کو بھانپا دیکھا کہ جب مشعل جادو مرتا ہے تو افراسیاب خانہ خراب ایک لاش پہلے سے تیار رکھتا ہے۔ ادھر یہ زخمی ہو کر گرا ادھر اس نے لاش کے منہ سے اس کا منہ ملایا۔ روح دوسرے قالب میں سرایت کر گئی۔ عمرو عیار نے اس کا توڑ نکالا۔ ایک طوطے کی گردن مروڑی۔ جادوگر کا بہروپ بھرا۔ جیسے ہی مشعل جادو زخموں سے نڈھال ہوا انھوں نے جھٹ ہاتھ بڑھا کر طوطا اس کے منہ سے لگایا۔ طوطے کے قالب میں اس کی روح منتقل کی۔ اسے زنبیل میں ڈال یہ جا وہ جا۔ نو دو گیارہ ہو گئے۔

بچو! اب بند بھی کر دو یہ تالیاں۔ آسمان

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں



لفافے پر لکھا ہوا تھا:

’معراج محمد خان کو سزائے موت دیجاتی ہے‘

وہاب صدیقی

معراج محمد خاں شیر افضل ملک، نفیجاب علی خاں اور جوہر حسین کو فوجی عدالت سے ایک سال کی سزا ہوئی۔ انھیں حوالات سے کراچی سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا۔ اس منتقلی سے پولیس کے اس انسانیت سوز ظلم و تشدد سے نجات ملی۔ جو مسلسل ۴۲ دن سے ان پر کیا جا رہا تھا۔ جیل کا ریکارڈ اگر ضائع نہیں کر دیا گیا تو اس بات کی گواہی دے گا کہ ان کے جسم زخموں سے چُور تھے۔ سیدھے لیٹ نہیں سکتے تھے۔ درد و کرب کی وجہ سے رات کو نیند بھی نہیں آتی تھی۔ خیال تھا کہ جیل میں انہیں سیاسی قیدیوں جیسی مراعات حبلیں گی جلی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ لیکن یہ خوش فہمی تھی جیل میں اخلاقی مجرموں جیسا سلوک کیا گیا۔ رات کو صرف ایک کمبل دیا گیا۔ حالانکہ سردی کا موسم تھا۔ دوسرے دن صبح سویرے ایک سپاہی آیا اور کہا "چلو تمہیں صاحب نے بلوایا ہے"۔ چنانچہ سپرنٹنڈنٹ کے دربار میں پیش ہوئے۔ انھوں نے کہا "مبارک ہو! آپ لوگوں کی سزا معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ ابھی آپ کو عدالت میں لے جائیں گے وہاں فیصلہ سنایا جائے گا"۔

معراج کا کہنا ہے کہ "ہمیں سخت حیرت ہوئی کہ یہ راتوں رات کیا ماجرا ہو گیا کہ کل ایک ایک سال کی سزا سنائی گئی اور آج اسے منسوخ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ بہرحال ہمیں ہتھکڑی پہنا کر ایک پولیس وین میں بٹھا دیا گیا۔ وین تیزی سے ایک سمت روانہ ہو گئی۔ اور ہم سب مصروف گفتگو، بات چیت میں اتنے مگن تھے کہ اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ پولیس وین عدالت کی طرف جا رہی ہے یا کسی دوسری جگہ، پتہ تو اس وقت چلا جب وہ ایک دھچکے کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پر رکی۔ تب معلوم ہوا کہ ہمیں کراچی سے منتقل کیا جا رہا ہے۔ لیکن کس جگہ؟ یہ ہمیں نہیں بتایا گیا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ ہمیں ایک ڈبے میں دھکیل دیا گیا۔ لیکن چند طلبا اور مسافروں نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ ڈبے کے گرد جمع ہو گئے۔ اور "وطن کے جانباز زندہ باد" "ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔ کے نعرے لگانے لگے۔ ٹرین روانہ ہو گئی۔ راستے میں متعدد بار پوچھا کہ ہمیں کہاں لئے جا رہے ہو۔ مگر جواب میں ہر مرتبہ خاموشی کے سوا اور کچھ نہ ملا"۔

"کوئی ڈیڑھ بجے شب ٹرین بہاولپور پہنچی۔ ہمیں یہاں اتار لیا گیا اور نیو سنٹرل جیل میں لے جا کر پھانسی وارڈ میں بند کر دیا گیا ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ پھانسی وارڈ ہے۔ صبح ایک قیدی نے جسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی تھی، پوچھا "بابو کسے قتل کیا تھا؟ صورت سے تو قاتل معلوم نہیں دیتے"۔ ہم چاروں اس کا منہ تکنے لگے۔ کچھ ساعتوں کے بعد میں نے بتایا کہ "ہم کراچی کے طالب علم ہیں۔ ہمیں ایک ایک سال کی سزا ملی ہے"۔ تو قیدی کو بہت تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگا کہ "بابو یہ تو پھانسی وارڈ ہے۔ یہ کال کوٹھریاں تو ان مجرموں کے لئے ہیں جنھیں سزائے موت سنائی جا چکی ہو۔ مگر یہ کوٹھریاں تمہارا مقدر کیوں بنیں؟" میں نے کہا کہ ہر عوام دوست محب وطن اور حق پرست کو اس راستے سے گزرنا پڑتا ہے"۔

"دوسرے دن ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا۔ قید تنہائی کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں بات کرنے کو ترس گیا۔ سپاہی آتا بغیر بات چیت کئے دال روٹی دے جاتا۔ میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھتا اور دوسری باتیں کرتا لیکن وہ بالکل جواب نہیں دیتا۔ تمام دن کوٹھری میں بند پڑا رہتا۔ صرف شام کو پانچ منٹ کے لئے باہر نکالا جاتا تھا۔ گرمی شروع ہو چکی تھی۔ بہاولپور میں ویسے ہی گرمی سخت پڑتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ جب سے ہمیں گرفتار کیا گیا تھا نہانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کپڑے بھی وہی تھے۔ جو سخت گندے اور بدبودار ہو گئے تھے۔ اسی حال میں دس پندرہ روز گزر گئے۔ اب جیل کے حکام نے ہمیں ذہنی طور پر تنگ کرنا شروع کر دیا۔ کہا جاتا "تمہارے فلاں ساتھی کو مار دیا گیا ہے"۔ کبھی پھانسی وارڈ میں بند کر دیا جاتا غرض اسی طرح لیل و نہار گزرتے رہے"۔

معراج نے بتایا کہ اخلاقی قیدیوں کو ہمارا معاشرہ بہت بُرا گردانتا ہے۔ اخلاقی مجرم کو سزا کاٹنے کے بعد بھی معاشرہ میں مقام نہیں دیا جاتا اور اسے اپنے دامن پر داغ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے یہ افراد بدعنوان نوکر شاہی اور اس کے حاشیہ برداروں سے کہیں زیادہ انسان دوست ہوتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ سے ہی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے وہ یہ کہ جب سے معراج گرفتار ہوئے تھے۔ چائے نصیب نہیں ہوئی تھی ایک قیدی کو جب یہ معلوم ہوا کہ کراچی سے چند طالب علم قیدی آئے ہیں تو وہ چوری چھپے چائے لے آیا۔ معراج محمد

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمایئں

برازیل کی چھاپہ مار تنظیموں کے سرگرم رہنماؤں سے انٹرویو کی یہ آخری قسط ۵



ہم ایسے گروہ کے ساتھ نہیں جو انقلاب کے گن گاتا ہو مگر بندوق نہیں اٹھاتا

• **سوال:** دائیں بازو کی فوجی آمریت قائم ہونے کے بعد آپ نے کب ہتھیار اٹھایا ؟

• **ڈوبو:** برازیل میں جب بائیں بازو کی سیاسی جماعتوں اور افراد کے درمیان پرامن اور ہنگامی طریقہ ہائے کار کے اوپر بحث کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ بعض چھوٹے چھوٹے گروہ اس بحث سے اُکتا کر چھاپہ ماری کی طرف راغب ہوگئے۔ یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ امریکی سی آئی اے ایجنٹ نارمن کینڈرکوم نے ہلاک کیا تھا۔ لیکن ۱۹۶۸ء میں جب مزدوروں اور طالب علموں نے آمریت کے خلاف عوامی جدوجہد شروع کی اور ان کی جدوجہد کو کچلنے کے لئے فوج اور پولیس نے گولیاں چلائیں تو ہم میں سے اکثر افراد چھاپہ مار پالیسی کی طرف راغب ہوگئے کیونکہ حکومت نے ہم پر پُرامن جدوجہد کے تمام دروازوں کو آہستہ آہستہ بند کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۶۸ء کی فائرنگ کے بعد عوامی جدوجہد تو ختم ہوگئی تھی لیکن چھاپہ مار سرگرمیوں میں تدریج اضافہ ہوتا گیا۔ ہماری سرگرمیوں سے متاثر ہو کر انقلابیوں نے ہماری تنظیموں میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ اور ہماری تنظیمیں وسیع ہوتی گیئں۔ اور ہمارے لئے مسئلہ پیدا ہو گیا کہ ان ڈھیر سارے آدمیوں کو کس مصرف میں لایا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ لڑنے سے پہلے کتنی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لڑنے سے پہلے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ رائفل کس طرح چلائی جاتی ہے۔ دشمن سے کس طرح بچا جاتا ہے۔ کوڈ ورڈ کس طرح استعمال کئے جاتے ہیں۔ ضروری باتوں کو کس طرح یاد رکھا جاتا ہے۔ تنظیم کاری کس طرح کی جاتی ہے۔ یہ ساری باتیں آسانی سے نہیں سیکھی جاتیں انہیں سیکھنے کے لئے آپ کے پاس وسائل ہونے چاہیئں۔ اور ہمارے پاس بہت ہی محدود وسائل تھے۔ جبکہ چھاپہ ماری کرنے والے افراد بہت ہی زیادہ تھے۔

لیکن ان تمام کمزوریوں کے باوجود ہم نے چھاپہ ماری جاری رکھی۔ ہمارے ساتھیوں نے کئی اقدامات کئے اور ان اقدامات کے دوران بہادری کا مظاہرہ کیا۔ مگر ہم ناتجربہ کار تھے۔ چنانچہ ابتدائی اقدامات کے دوران ہماری تنظیم کے تمام ابتدائی ڈھانچے تباہ و برباد ہو گئے۔ ہمارے بے شمار ساتھی مارے گئے سینکڑوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جہاں وہ جیل میں دی جانے والی اذیت برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے تنظیم کے بارے میں دشمن کو بہت کچھ بتا ڈالا۔ میں پہلے نومبر ۱۹۶۸ء کو گرفتار کیا گیا۔ لیکن جیل سے کسی طرح بھاگ نکلا اور چند روز بعد دوبارہ پکڑا گیا۔ لیکن صورت حال اب پہلے سے بہت بہتر ہے اور ہم رہائی حاصل کرنے کے کئی نئے گر سیکھ گئے ہیں۔

نیز پولیس نے جس کردار اور عمل کا مظاہرہ بعد میں کیا وہ غیر متوقع تھا۔ اور ہماری تنظیمیں اس کے لئے قطعی تیار نہیں تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ساتھی پولیس کی سختیوں کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے تنظیم کے بنیادی ڈھانچہ کا راز فاش کر دیا۔

لیکن اب ہم دوسری قسم کی تنظیم کاری کر رہے ہیں۔ ہماری تنظیمیں اب اتنی بڑی نہیں جتنی کہ پہلے تھیں۔ لیکن ہمارے پاس جتنے بھی آدمی ہیں وہ سب اعلےٰ طور پر تربیت یافتہ ہیں۔ ان کی زندگی کے کئی قیمتی سال گولیوں کی سنسناہٹ میں گزر رہے ہیں۔ ہمارے پاس اب اچھی تنظیمیں، اچھے ہتھیار ہیں اچھی خاصی رقم اور ہمارے ساتھی پہلے کی نسبت کہیں ہوشیار اور منظم ہوگئے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ریوڈی جنیرو کی شاخ کو ہمیں ہدایت دینی پڑی کہ وہ مزید بھرتی نہ کرے۔ کیونکہ ہم زیادہ آدمی حاصل کرنے کے بجائے کم سے کم آدمیوں کو زیادہ سے زیادہ بہتر چھاپہ مار بنانے کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں اور یقیناً یہ ایک مشکل کام ہے۔ تجربہ نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک تجربہ کار آدمی زیادہ سے زیادہ چھ افراد کے ساتھ کام کر سکتا ہے اور انہیں تربیت دے سکتا ہے۔ یہ طریقہ کار پہلے کی نسبت زیادہ موثر ثابت ہوا ہے۔

سوال: آپ کی تنظیموں کے رکن زیادہ تر کون لوگ ہیں؟

گھبیرا: ہماری تنظیموں میں چند ایک کے علاوہ زیادہ تر اراکین نوجوان ہیں۔ ان میں کچھ تو سولہ سال کی عمر کے ہیں اور بقیہ تمام تیس سال کے ہیں۔ ٹیکنالوجی آرٹ، ادب اور قانون کے وہ طالب علم بھی شامل ہیں جن کو ملازمت نہیں ملتی اور جو بے روزگاری سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ ہماری تنظیم میں وہ مزدور بھی شامل ہیں جن کو ۱۹۶۹ء کی ہڑتال میں ملازمت سے محروم کر دیا گیا تھا۔ ہماری تنظیم میں عورتیں بھی ہیں مگر تنظیم عورت اور مرد میں امتیاز روا نہیں کرتی اور عورت اور مرد دونوں سے ایک ہی طرح کے کام لئے جاتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جوں جوں تحریک زور پکڑتی جائے گی عورتیں خاصی تعداد میں ہماری تنظیم میں شامل ہوتی جائیں گی۔

دیہات چھاپہ ماری کا سب سے بڑا مرکز بن سکتے ہیں



فیلیو بری اور گیبرا



ڈوبر

سوال :- آپ اپنی فوجی حکمت عملی کو سیاسی حکمت عملی سے کس طرح مربوط کرتے ہیں ؟

ڈوبر :- فی الحال دشمن کو ہماری فوجی نقصانات پہنچانا ہماری تنظیم کا مقصد نہیں۔ فی الحال ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ عوام موجودہ حکومت کے مخالف ہوں اور ہماری حمایت کریں۔ چنانچہ تحریک کے موجودہ مرحلے پر ہم اپنی فوجی حکمتِ عملی کو سیاسی حکمت عملی کے تابع رکھتے ہیں۔ عوام جب حکومت کے مخالف اور ہمارے حامی ہو جائیں گے تو پھر کون ہے جو ہمارا راستہ روک سکتا ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ فوجی کارروائی کے لئے سماجی بنیاد کا استوار ہونا بہت ضروری ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عوام چھاپہ ماروں کے مشن کی پوری طرح حمایت کریں ضرورت ہو تو انہیں پناہ دیں اور ان کے ساتھی بنیں۔ سماجی بنیاد قائم کئے بغیر ہم فوجی کارروائی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جدوجہد کے موجودہ موڑ پر ہم اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کرنے سے گریز کرتے ہیں اور پھر اس کے علاوہ ابھی ہم اتنے طاقتور بھی نہیں کہ بھاری فوجی کارروائی کر سکیں۔ ہم جب فوجی نوعیت کا ہلکا پھلکا قدم اٹھاتے ہیں تو اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اسے عوام کی تائید و حمایت بتدریج حاصل ہو رہی ہے۔ عوام محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہم ان کی بہتری کے لئے جیل کی تکالیف برداشت کرتے ہیں اور اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی نہیں گھبراتے۔

ہمیں اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ عوام کے دلوں میں ہمارے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہونے لگے ہیں اور سرکاری فوج اور پولیس کے خلاف نفرت بڑھنے لگی ہے ہم اگر فوجی کارروائی کو سیاسی کارروائی سے ملانے کی حکمت عملی کو چند لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو یوں کریں گے "بندوق کی نالی ہر حالت میں ایک سیاسی ہتھیار ہوتی ہے مگر تحریک کے ابتدائی ایام میں اسے صرف سیاسی آلہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے"

گیبرا :- ہمارے آئندہ سال کا منصوبہ یہ ہے کہ برازیل کی تمام چھاپہ مار تنظیموں کے درمیان مرکزیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ ہمارے درمیان وحدت خیال اور وحدت عمل پیدا ہو سکے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارے درمیان وحدت عمل بالکل موجود نہیں ہے۔ ہمارے درمیان وحدت عمل موجود ہے۔ مثال کے طور پر جرمنی کے سفیر کا اغوا دو تنظیموں کے درمیان باہم اشتراک عمل کے ذریعے کیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم جس قسم کی مرکزیت کے خواہاں ہیں وہ اسی قسم کے مشترکہ اقدامات کے ذریعہ پیدا ہو سکتی ہے گفتگو کے ذریعے نہیں، گفتگو کے ذریعے مرکزیت پیدا کرنے کے معاملہ میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ ہمارے درمیان جو مشترک اقدار ہیں وہ پس پشت رہ جاتی ہیں اور جو اختلافی معاملات ہیں وہ سامنے آجاتے ہیں۔

ایک دوسری بات جس کے لئے ہم کوشش کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دیہی علاقوں میں چھاپہ ماری کی سرگرمیوں کو فروغ دینا چاہیئے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ چھاپہ مار سرگرمیوں کے لئے بنیادی میدان دیہی علاقے ہیں۔

سوال :- اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اب بھی دیہی چھاپہ ماری کو اہمیت دیتے ہیں۔؟

پنیروٹی :- ہم سمجھتے ہیں کہ لاطینی امریکہ کی بنیادی آبادی کسان طبقوں پر مشتمل ہے۔ کسان طبقہ آبادی کا وہ حصہ ہیں جن کو سب سے زیادہ لوٹا کھسوٹا جا رہا ہے اور یہ بڑی مشکل سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ اگر ان کو منظم اور متحرک کیا جائے تو یہ بہت بڑی انقلابی قوت بن جائیں گے۔ نیز شہروں کی نسبت دیہی علاقوں پر سیاسی اداروں کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہے لہٰذا ہم یہاں زیادہ کھل کر چھاپہ ماری کر سکتے ہیں

گیبرا :- اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم دیہی علاقوں کو شہروں کے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ برازیل میں مزدور طبقہ برائے نام ہے اور یہ زیادہ تر ایسے افراد پر مشتمل ہے جو دیہی علاقوں کو چھوڑ کر نئے نئے شہر آئے ہیں چنانچہ شہری معیشت ان کے لئے دیہی معیشت کے مقابلہ میں ایک قدم آگے جانے کے مترادف ہے شہروں میں آکر وہ اپنے دیہاتی بھائیوں سے زیادہ آزادی اور مراعات حاصل کر لیتے ہیں وہ ایک ایسے معاشی ماحول میں داخل ہو گئے ہیں جو دیہی معاشی ماحول کی نسبت زیادہ خوش رنگ ہے۔

پنیروٹی :- ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عوامی فوج کی تیاری کے لئے کسان طبقوں میں کام کرنا بہت ضروری ہے اور یہ دیہی علاقہ ہیں جو بالآخر عوامی فوج کا بنیادی گہوارہ بنیں گے۔

سوال :- کیا آپ کی تحریک کوئی باقاعدہ پروگرام یا پلیٹ فارم رکھتی ہے ؟

ڈوبر :- اس وقت تک ہماری تحریک بنیادی طور پر نوجوانوں کی توجہ کا مرکز بنی ہے بالخصوص طلباء کی توجہ کا مرکز ——— اور ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ یہ تحریک نوجوانوں کی بین الاقوامی تحریک کا حصہ ہے جو مختلف ممالک میں جاری ہے۔ یہ تحریک امریکہ میں بھی شروع ہو گئی ہے پولینڈ میں بھی ہے اور روس میں بھی شروع ہو کر رہے گی۔ یہ تحریک بنیادی طور پر موجودہ حالات کے خلاف نئی نسل کی بغاوت ہے اور اس نے شروع ہو کر سیاسی ماحول میں تھوڑی بہت تبدیلی پیدا کر دی ہے ہماری تحریک کوئی غیر مقبول تحریک نہیں۔ اس کو عوام کی قبولیت حاصل ہے اور ہم ایک ہمہ گیر پروگرام بھی رکھتے ہیں۔ بنیادی طور پر ہم یہ چاہتے ہیں کہ عوام میں سیاسی شعور پیدا کیا جائے۔ ہم نہ تو صدرِ مملکت بننا چاہتے ہیں اور نہ وزیر اعظم بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ سیاسی اقتدار اعلیٰ عوام کے ہاتھ میں ہو اور عوام فیصلہ کریں کہ وہ کس قسم کی حکومت اپنے ملک میں چاہتے ہیں۔ ہم برازیل کے عوام کو آمریت سے نجات دلانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ عوام کو تنظیم بنانے اور تحریک چلانے کی آزادی دی جائے جو کہ ان کا بنیادی حق ہے۔ یہ بات بھی ہمارے بنیادی مقاصد میں شامل ہے کہ برازیل کی معیشت کو بیرونی سرمایہ کی قید سے آزاد کرایا جائے۔ ہماری معیشت ایک طویل مدّت سے بیرونی سرمایہ کی گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ پہلے یہ پرتگالی سرمایہ دار کی گرفت میں تھی اس کے بعد برطانوی سرمایہ دار کی گرفت میں گئی اور اب یہ امریکی سرمایہ دار کی گرفت میں ہے۔ ہمارے ملک نے مادی ترقی کی جس ڈگر کو اپنایا ہے وہ دولت کو چند ہاتھوں میں سمیٹ رہا ہے۔ اور لاتعداد ہاتھوں کو مفلس بنا رہا ہے ایک طرف عیش و آسائش کے سامان ہو رہے ہیں تو دوسری طرف بھوک ہے بیماری اور مفلسی ہم اس ڈگر کو بدلنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں مادی ترقی اس طرح ہو کہ عوام کو ان کی بنیادی ضروریات ملنے لگیں۔ ہم ملکی معیشت کو قوی اور خود کفیل دیکھنا چاہتے ہیں اور غیر ملکی سرمایہ کی زنجیر کو بالخصوص امریکی سرمایہ کی زنجیر کو اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام کے درمیان اونچ نیچ ختم ہو جائے اور اس کی جگہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی مساوات کا دور دورہ ہو۔

گیبرا :- ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ انقلاب جسے برپا کرنے کے لئے ہم نے چھاپہ ماری شروع کی ہے عوامی انقلاب ہوگا اور اس انقلاب کے بعد ملک

امریکی امن مشن برازیل میں مخبری کا کام انجام دے رہا ہے

سوشلزم کے راستہ پر گامزن ہو جائے گا۔

ڈوبر :۔ لیکن ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم اس منزل کو بندوق اٹھا کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم ہر اس ہتھیار بند تحریک کی حمایت کرتے ہیں اور اس میں حصہ لینے کے لئے آمادہ ہیں جو امریکی سامراج کے خلاف ہے۔ ہم اس پارٹی کے قریب ہیں جو کہ قومی آزادی کے لئے جنگ کرنے کو تیار ہو لیکن ہم ایسی کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ نہیں جو انقلاب کے گن گاتی ہے مگر بندوق نہیں اٹھاتی۔

ہماری تحریک ابھی ایک کمزور تحریک ہے ہم سمجھتے ہیں کہ فوری طور پر تحریک طاقتور نہیں ہو سکتی لیکن ہم چھاپہ ماری کو اور چھوٹے چھوٹے چھاپہ مار گروپوں کے قیام کو معمولی چیز نہیں سمجھتے وہ دن دور نہیں جب یہ چھوٹی چھوٹی ندیاں بہتے بہتے ایک مقام پر جمع ہو کر ایک طاقتور دریا بن جائیں گی

سوال :۔ آپ میں سے اکثر احباب نے کئی کئی سال تک جیل کاٹی ہیں۔ آپ نے جیل کی زندگی کو کیسا پایا؟

پنیروٹی :۔ جیل میں سیاسی قیدیوں کی حالت عادی مجرموں کی حالت سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ سیاسی قیدیوں کو ایک دوسرے سے دور تاریک سیلوں میں بند کیا جاتا ہے اور ان کی زندگی کے شب و روز کا بیشتر حصہ یہیں گزرتا ہے لوگ سیاسی قیدیوں سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ سیاسی قیدی کسی وکیل سے نہیں مل سکتے اور اپنی صفائی کا مقدمہ نہیں تیار کر سکتے۔ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جاتی جس پر وہ کچھ لکھ پڑھ سکیں۔ جیل میں انہیں زدو کوب کیا جاتا ہے مگر وہ اس کے خلاف زبان نہیں کھول سکتے۔ یہ کتنی بری بات ہے کہ حکومت اس کا اقرار نہیں کرتی۔

سوال :۔ کیا عوامی حلقوں کی طرف سے تشدد کی مذمت ہونے کے باوجود تشدد کا عمل جاری ہے؟

پنیروٹی :۔ ہمارے جتنے ساتھی اس وقت یہاں موجود ہیں ان سب کو جیلوں میں زدو کوب کیا گیا۔ فی زمانہ قیدیوں کو بڑے ہی سائنسی طریقے سے ٹارچر کیا جاتا ہے اور ان سے معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ قیدی کو جب ٹارچر کیا جاتا ہے تو ایک ڈاکٹر ان کے پاس موجود ہوتا۔ ڈاکٹر کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ قیدی کی قوت برداشت کا اندازہ لگائے اور ٹارچر کو اس حد تک آگے نہ بڑھنے دے جو قیدی کی موت کا سبب بن جائے لیکن بعض معاملہ میں ٹارچر کرنے والے ڈاکٹر کی رائے کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور قیدیوں کو اس حد تک زدو کوب کرتے ہیں کہ ان کی موت واقع ہو جاتی ہے اب تک کوئی بیس کے قریب سیاسی قیدی اس طرح ہلاک ہو چکے ہیں۔ برازیل میں اگر کوئی سیاسی قیدی بن گیا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ جیل میں اس پر ضرور تشدد کیا جائے گا بعض معاملہ میں تو سیاسی قیدیوں کو دو تین ماہ تک مسلسل ٹارچر کیا گیا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے

دنیا کے ہر ملک میں انقلابی تحریک شروع ہو چکی ہے

کہ ایک سیاسی قیدی پر تشدد کرنے کے بعد پولیس کی نئی اطلاع پر دوبارہ ٹارچر کیا گیا ہے میں بذات خود سو کے قریب فوجی ماہرین کا جنہیں ٹارچر کا فن سکھایا جا رہا تھا تختۂ مشق بن چکا ہوں۔

سوال :۔ کیا وہ سیاسی مجرموں کے کنبہ کے ان افراد کو بھی ٹارچر کرتے ہیں جنہیں پولیس گرفتار کر لیتی ہے؟

فلیوبری :۔ گزشتہ مارچ کو جاپانی سفیر کے بدلہ میں جن قیدیوں کو رہا کرایا گیا تھا ان میں سے زیادہ تر سیاسی مجرموں کے کنبے کے افراد تھے۔ ان افراد میں نو سال کا ایک لڑکا بھی تھا جسے پولیس نے اس کی ماں کے سامنے بری طرح زدو کوب کیا تھا تاکہ ماں اپنی مامتا سے مجبور ہو کر پولیس کو معلومات بہم پہنچا دے۔ اسی طرح ایک اور کیس میں پولیس نے ایک دودھ پیتے بچے کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا بچے کی ماں کی نظروں کے سامنے انہوں نے شیر خوار بچے کو بلندی سے نیچے اچھالنا اور روکنا شروع کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک چار سالہ بچے کو خوفزدہ کرنے کے لئے اس کی نظروں کے سامنے اس کے والدین کو مارا پیٹا۔

سوال :۔ کیا امریکہ بھی آپ کے خلاف ہونے والی سرگرمیوں میں شریک ہے؟

ڈوبر :۔ برازیل کی حکومت ہمارے خلاف جو کارروائیاں کر رہی ہے امریکی اب ان میں براہ راست حصہ نہیں لیتے لیکن وہ بالواسطہ طور پر اب بھی ان کارروائیوں میں ملوث ہیں۔ وہ برازیل کے فوجی اور پولیس افسروں کو ہماری چھاپہ مار سرگرمیوں کو روکنے کی ٹریننگ اب امریکہ میں دیتے ہیں۔ اور انہیں چھاپہ ماروں کو ٹارچر کرنے کے گر سکھاتے ہیں۔ اس وقت برازیلی فوجی اور پولیس افسروں کی ایک بہت بڑی تعداد پانامہ کی فوجی اکیڈمی میں گوریلا دشمنی کی تربیت حاصل کر رہی ہے اور گوریلوں کو زدو کوب کرنے کے گر سیکھ رہی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ برازیلی پولیس کے کئی افسر الف بی آئی میں تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

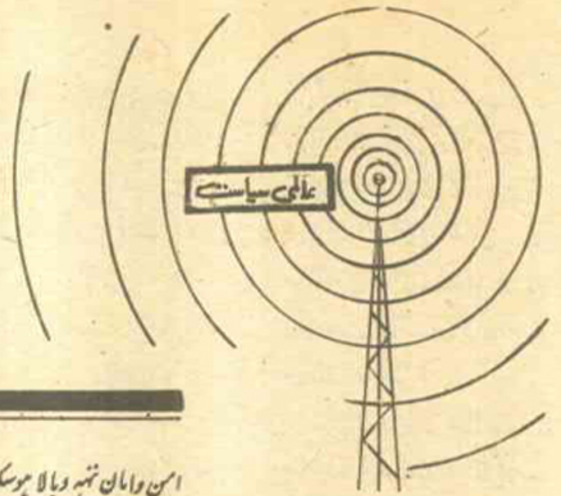
ایک اور کام ہے جو برازیل کے اندر امریکہ کر رہا ہے۔ امریکہ کے مخبر نام نہاد پیس مشن لے کر برازیل آئے ہیں اور ہمارے خلاف مخبری کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس پیس مشن میں ایسے احباب بھی ہوتے ہیں جو آئیڈیل ازم کا شکار ہو کر ساتھ چلے آتے ہیں اور مشن کے اصل مقصد سے واقف نہیں ہوتے۔ امریکہ سے ایسے پروفیسر بھی برازیل آتے ہیں جن کا کام بظاہر برازیل کی سیاسی صورتِ حالات کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے لیکن باطن میں وہ سیاسی اہمیت رکھنے والے علاقوں کی نشاندہی کر جاتے ہیں۔ برازیل کی حکومت کے لئے امریکی ماہرین نے ایسے نقشے بھی تیار کئے ہیں جو فوجی اہمیت کے حامل ہیں۔ آج کل ہم خود ایسے نقشے استعمال کر رہے ہیں جن کو امریکی ماہرین نے تیار کیا ہے۔ یہ نقشے مقامی ماہرین کے تیار کئے ہوئے نقشوں سے کئی گنا زیادہ بہتر ہیں۔

گیبرا :۔ امریکہ کے سابق صدر کینیڈی نے برازیلی حکومت کو ہدف تنقید بنایا تھا مگر صدر کینیڈی صحیح صورتِ حالات سے واقف نہ تھے لیکن امریکہ کی سی آئی اے ایجنسی برازیل کی صورتِ حالات کا اب پورا پورا علم رکھتی ہے۔ اس کے ایجنٹ برازیل کے مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور دائیں بازو کی حامی ایک ایسی فوجی تنظیم بنانے میں مصروف ہیں جو چھاپہ ماروں کا صفایا کر سکے۔

سوال :۔ امریکہ کے عوام آپ کی اخلاقی اور مادی امداد کس طرح کر سکتے ہیں؟

گیبرا :۔ امریکہ کے عوام ہماری جدوجہد میں اس طرح حصہ لے سکتے ہیں کہ وہ امریکی حکومت کو برازیلی فوجی آمریت کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کریں۔ اور اسے عریاں کرنے کی کوشش کریں۔ عوام کو بتائیں کہ موجودہ حکومت فوجی آمریت ہے۔ وہ اس بات کی مذمت کریں کہ امریکی حکومت فوجی آمریت کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔ وہ اپنی حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ برازیلی کی سرکاری فوج اور پولیس کو گوریلا دشمنی کی تربیت دینا بند کر دے لیکن سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ ہماری تحریک زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے کیونکہ یہ تحریک اس بڑی تحریک کا ایک حصہ ہے جو کہ دنیا میں کم و بیش ہر جگہ شروع ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ امریکہ میں بھی ہم سمجھتے ہیں کہ اس عہد کا بنیادی تضاد اجارہ دار سرمایہ داروں اور ان کی لوٹ کھسوٹ کا شکار عوام کے درمیان ہے۔ ہم امریکہ میں کام کرنے والی ایس ڈی ایس تنظیم اور امریکہ کے سیاہ فام باشندوں کی جدوجہد کو بھی اپنی جدوجہد کا حصہ تصور کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ بھی ہماری طرح لوٹ کھسوٹ اور نابرابری کا شکار ہیں۔ میری ذاتی رائے

باقی صفحہ ۱۶ پر ملاحظہ فرمائیے



امریکی سامراج دیوا

کوریا میں نئی جنگ کی تیاریاں

امریکی سامراج، ویت نام، کمبوڈیا اور لاؤس کے بعد اب عوامی جمہوریہ کوریا کے خلاف ایک نئی جنگ چھیڑنے کے لئے کوریا کی سرحد پر مسلسل اشتعال انگیز کارروائیوں میں مصروف ہے عوامی جمہوریہ کوریا کی وزارت خارجہ نے اپنے ایک بیان میں ان کارروائیوں کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ "کوریا کے انقلابی عوام امریکی سامراج کی ہر جارحانہ کارروائی کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور اسے عبرت ناک سزا دیں گے۔"

عوامی جمہوریہ چین نے عوامی جمہوریہ کوریا کے موقف کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے کوریا کی حکومت کو اپنی حمایت اور تعاون کا بھرپور یقین دلایا ہے۔

امریکی سامراج دیوانگی میں مبتلا ہوکر ہند چینی میں اپنی جارحانہ جنگ کا دائرہ لاؤس تک پھیلا چکا ہے۔ لیکن نتائج ان کے سامنے ہیں۔ اپنے مذموم مقاصد کے حصول میں ناکام ہونے کے بعد، اب اس نے انتہائی بدحواسی کے عالم میں عوامی جمہوریہ چین اور عوامی جمہوریہ کوریا کے خلاف اشتعال انگیزیاں شروع کرکے اپنے گھناؤنے منصوبے کو طشت ازبام کردیا ہے۔ دنیا بھر کے انقلابی اور محنت کش عوام امریکی سامراج کی ان نفرت انگیز کارروائیوں کو جس سے پوری دنیا کا امن وامان تہہ وبالا ہوسکتا ہے۔ سخت تشویش کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

امریکی سامراج کی تائید وحمایت پر، جنوبی کوریا کی پٹھو حکومت نے شمالی کوریا کے خلاف اپنی اشتعال انگیز کارروائیوں میں اضافہ کردیا ہے امریکہ، "پاک جنگ ہی" لڑنے کی طاقت میں برابر توسیع کررہا ہے۔ شمالی کوریا کی سرحد پر جنوبی کوریا کی پٹھو حکومت اور امریکی سامراج کے فوجی دستے جنگی مشقوں کے بہانے براہ راست شمالی کوریا کو جنگ کی دھمکی دے رہے ہیں۔ جس سے جزیرہ نما کوریا میں ایک خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ امریکہ نے جنوبی کوریا میں پہلے سے موجود امریکی دستوں میں مزید اضافہ کردیا ہے۔

امریکی سامراج اور جنوبی کوریا کی پٹھو حکومت کی ان کارروائیوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی سامراج، کوریا میں ایک نئی جنگ کی چنگاری سلگانے کے لئے موقع کی تلاش میں ہے نکسن نے اپنی حالیہ تقریر میں اس بات کا اعلان کرکے کہ وہ "اپنی تھیوری" کے مطابق جنوبی کوریا کی خوشحالی اور ترقی میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے مکروہ عزائم کا کھلے الفاظ میں اعتراف کرلیا ہے۔ امریکی سامراج جنوبی کوریا کو مکمل طور پر اپنے تصرف میں لانے کے بعد ایشیا میں ایک ہولناک جنگ بھڑکانے کے لئے اسے امریکی اڈے کی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔

امریکی سامراج اپنی جنگی کارروائیوں سے شمالی کوریا اور ایشیا کے عوام کو محکوم بنانے کے درپے ہے۔ لیکن اسے معلوم ہونا چاہئیے کہ کوریا اور ایشیا کے انقلابی عوام اس کے گھناؤنے مقاصد سے آگاہ ہیں اور انہوں نے امریکی سامراج اور اس کے پٹھوؤں سے نمٹنے کے لئے اپنی انقلابی جدوجہد کی آگ کو پوری طرح سے روشن کردیا ہے۔

فلسطینی ریاست کے قیام کی سازش

اردن کی رجعت پسند حکومت فلسطینی حریت پسندوں کی تنظیم میں شگاف ڈالنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ جب کہ امریکی سامراج اور اسرائیلی توسیع پسند نام نہاد فلسطینی ریاست" کے قیام کے ناپاک منصوبے کو آگے بڑھانے میں دن رات کوشاں ہیں سامراجی سامراج اور اسرائیل کی توسیع کا یہ منصوبہ، فلسطینی عوام کو تقسیم کرنے اور ان کی انقلابی جدوجہد کا رخ موڑنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ مگر فلسطینی عوام نے اپنی جنگ میں ثابت قدم رہتے ہوئے اس منصوبے کو قطعی طور پر مسترد کردیا ہے۔ جن کا مقصد فلسطینی تحریک کو مکمل طور پر تباہ کرنا ہے۔

امریکی سامراج، اسرائیلی توسیع پسند اور اس کے پٹھوؤں نے ۱۹۴۸ اور ۱۹۶۷ کی جنگ میں جو وقتی فتح حاصل کی تھی، اسے دائمی صورت دینے کے لئے "دریائے اردن کے مغربی ساحل اور غزہ کی پٹی میں ایک نام نہاد فلسطینی ریاست" قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ یہ منصوبہ عرب اور فلسطینی عوام کے حقوق کی مکمل نفی کرتا ہے، کیونکہ عرب عوام پورے فلسطین کے حصول کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں؛ جو ان کا آبائی وطن ہے۔

امریکہ اور اسرائیل نے یہ منصوبہ دراصل اس لئے تیار کیا تھا کہ مشرق وسطیٰ میں فلسطینی حریت پسندوں کو کچل دیا جائے اور باقی ماندہ لوگوں کو بالآخر اسرائیل کی حمایت پر راضی کرلیا جائے۔ وہ اس بات کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ان کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ فلسطینی حریت پسند ہیں۔ جو ان کی کسی سازش کو کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ اسی لئے انھوں نے نام نہاد فلسطینی ریاست کا ڈھونگ رچایا ہے تاکہ دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں جو ان دنوں اسرائیل کے تصرف میں ہے، فلسطینی مہاجروں کو وقتی طور پر آباد کرکے "فلسطین کے قبضے پر خاک ڈال دی جائے۔ اور پھر فلسطینی حریت پسندوں کے خلاف اس علاقے کو فوجی اڈے کے طور پر استعمال کیا جائے۔



عرب باشندوں کے خلاف نکسن اور گولڈا میئر کا گٹھ جوڑ

● عرب ممالک کے تیل کا مسئلہ ● ...ی توسیع پسند منصوبے

...کا شکار ہو گیا ہے

قومی محاذ آزادیٔ فلسطین نے امریکی اور اسرائیلی منصوبے کو مسترد کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ، سامراج اور اسرائیلی توسیع پسند اس خطرناک منصوبے کے ذریعہ اپنے جارحانہ عزائم کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں فلسطینی انقلابیوں کو چاہیے کہ وہ امریکی سامراج، اسرائیلی توسیع پسندوں اور اردن کی رجعت پسند حکومت کے ناپاک منصوبے سے نمٹنے کے لئے اپنی انقلابی جدوجہد کو تیز کر دیں۔ اور آخری فتح تک اپنی جنگ جاری رکھیں گے۔



شمالی کوریا کے عوام کم ال سنگ کی قیادت میں سامراج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں

تیل برآمد کرنے والے ممالک کی جدوجہد

ان دنوں تیل برآمد کرنے والے دنیا کے دس بڑے ممالک تیل کی اجارہ دار کمپنیوں سے نبرد آزما ہیں۔ ان ممالک میں الجزائر، ایران، عراق، کویت، لیبیا، سعودی عرب اور وینزویلا شامل ہیں۔ ۱۹۷۰ء تک ان ممالک کے تیل کی کل پیداوار ایک ارب ۷۰ کروڑ ٹن تھی۔ جو پوری دنیا کی کل پیداوار کا ۴۵ فی صد ہے۔ اس پیداوار کا ۸۰ فی صد حصہ مغربی یورپ، اور ۹۰ فی صد حصہ جاپان کی ضرورت کو پوری کرتا ہے۔

امریکہ، فرانس اور جاپان کی اجارہ دار کمپنیاں، ان ممالک کا بڑی بیرحمی سے استحصال کر رہی ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تیل کی یہ اجارہ دار کمپنیاں ایک بیرل تیل کی قیمت ایک ڈالر ادا کرتی ہیں۔ اور پھر یورپ کی منڈیوں میں ایک بیرل تیل کی قیمت ۱۲ ڈالر سے لے کر ۱۴ ڈالر تک وصول کرتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی اجارہ دار کمپنیاں تیل کے کاروبار سے ناقابل تصور منافع حاصل کر کے سامراجی کیمپ کو دن رات طاقت ور بنانے میں مصروف ہیں۔ دنیا کی سات بڑی اجارہ دار کمپنیوں میں سے پانچ امریکی، ایک برطانوی ڈچ اور ایک خالص برطانوی کمپنی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں ان اجارہ دار کمپنیوں نے مذکورہ ممالک کا استحصال کر کے، چار ارب اور پچاس کروڑ ڈالر کا منافع حاصل کیا تھا۔ اور ۱۹۷۰ء میں شروع کے صرف تین چار ماہ کے دوران تین ارب پچاس کروڑ منافع کمایا تھا۔

لیبیا، ان اجارہ دار کمپنیوں سے ٹکر لینے والا پہلا ترقی پسند ملک ہے، جس نے فی بیرل ۳۰ سنٹ اور اگلے پانچ سال کے لئے فی بیرل دو سنٹ کا اضافہ کر کے، تیل کے کاروبار میں اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا، اس کے علاوہ ٹیکس میں اضافہ کیا۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے عراق، ایران اور کویت نے تیل کے نرخ اور ٹیکس میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا، وینزویلا نے بھی ٹیکس ریٹ میں ۶۰ فی صد کے اضافے کا فیصلہ کر لیا۔ اور تیل کی اجارہ کمپنیوں سے اکٹھے نمٹنے کیلئے گزشتہ سال دسمبر میں وینزویلا کے دارالخلافہ کارکاس میں تیل برآمد کرنے والے ممالک کی ۲۱ ویں وزراتی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں شریک ممالک نے ٹیکس ریٹ میں ۵۰ فی صد سے بڑھا کر ۵۵ فی صد کے اضافے کا مطالبہ اور تیل کے نرخ میں اضافہ کرنے کے لئے بیرونی کمپنیوں سے بات چیت کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

تیل برآمد کرنے والے ممالک کے اس باغیانہ اقدام سے اجارہ دار کمپنیوں کی نمائندگی کرنے والا امریکی سامراج چراغ پا ہو گیا اور اس معاملے میں فوری طور پر مداخلت شروع کر دی۔ نکسن نے ریاست کے انڈر سیکریٹری جان اروِن کو فوراً مشرق وسطی روانہ کر دیا تاکہ دوسرے مغربی ممالک کے ساتھ مشترکہ محاذ بنا کر تیل برآمد کرنے والے ملکوں پر دباؤ ڈالا جا سکے۔

امریکی سامراج کی تائید و حمایت پر اجارہ دار کمپنیاں ڈٹ گئیں اور تیل برآمد کرنے والے ملکوں کے جائز مطالبات کو رد کرتے ہوئے تیل کے ٹیکس ریٹ اور موجودی نرخ میں اضافہ کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا۔ تہران میں ۱۲ جنوری سے ۱۹ جنوری تک تیل برآمد کرنے والے ممالک اور اجارہ دار کمپنیوں کے نمائندوں کے درمیان طویل مذاکرات ہوئے مگر یہ مذاکرات اجارہ دار کمپنیوں کی ہٹ دھرمی اور چودھراہٹ کی نذر ہو گئے۔

تیل برآمد کرنے والے ممالک نے اجارہ دار کمپنیوں کی ہٹ دھرمی کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا۔ اور اپنے موقف پر سختی سے ڈٹے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اجارہ دار کمپنیوں نے تھک ہار کر ۱۴ ار

باقی صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں



...سامراج
...ی گردن
...سین
...کنت
...گشوں
...کا
...شکنجہ
...مضبوط
...ور رہا
...ھے

میں ایک سرکاری ملازم ہوں

بشیر احمد - لائلپور

اکثر احباب یہ شکوہ کرتے ہیں کہ آج کل جسے دیکھئے یہی شکایت کرتا نظر آتا ہے کہ آمدنی یا تنخواہ کم ہے۔ گزارا نہیں ہوتا مہنگائی نے کمر توڑ کے رکھ دی ہے اور چند لوگ تو اس حد تک کہہ جاتے ہیں کہ گزارا نہ ہونے کا دکھڑا رونا تو ایک فیشن بن چکا ہے۔ میرے ایک دوست جو مقامی بنک میں ملازم ہیں یہ ذکر کرتے ہوئے سخت حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ لوگوں کا گزارہ کیوں نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں" میں بھی تو چار سو روپے ماہوار لے کر گزارہ کرتا ہوں اور اسی میں اپنا اسٹیٹس بھی قائم رکھتا ہوں جو لوگ سو ڈیڑھ سو روپے پاتے ہیں انہیں بھی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں اور اپنے اخراجات اس ترتیب سے کرنا چاہئیں کہ وہ اپنے اسٹیٹس کے مطابق بخوبی گزارہ کر سکیں لیکن صاحب توبہ کیجئے جس سے ملئے، پوچھئے۔ "مزاج کیسے ہیں؟" جواب ملے گا۔ جی مہنگائی بہت زیادہ ہے اور تنخواہ تھوڑی گزارا نہیں ہوتا۔ پوچھئے۔ بچوں کا کیا حال ہے؟ کہیں گے۔ ننھے کی امی بیمار رہتی ہیں پچھلے تین ماہ سے بستر سے لگا ہوا ہے۔ آمدنی تھوڑی ہے۔ مناسب علاج کہاں سے کرائیں۔"

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ شکوہ بجا ہے کہ آمدنی کم ہے اور خرچ زیادہ۔ اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور دن بدن اوپر ہی جا رہی ہیں جس چیز کی قیمت ایک بار بڑھ جائے تو اس کا معمول پر آجانا کارے دارد ہے

میں ایک سرکاری محکمے میں بطور سینئر کلرک ملازم ہوں۔ میری تنخواہ اس وقت ۱۵۲ روپے ہے لیکن کٹوتی کے بعد ایک سو چھ روپے ملتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:۔

بنیادی تنخواہ ماہانہ	۱۵۲/- روپے
کٹوتی ۱:۔ بہبود فنڈ	۱/- روپے
۲:۔ سرکاری کوارٹر کا کرایہ	۱۰/- روپے
۳:۔ جنرل پراویڈنٹ فنڈ (جبری کٹوتی)	۲۰/- روپے
۴:۔ قرض کی قسط	۱۵/- روپے
کٹوتی کا میزان	۴۶/- روپے
اصل رقم جو نقد ملتی ہے	۱۰۶/- روپے

مندرجہ بالا نمبر ۴ کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل اپنی بیمار بیوی کے علاج کے لئے تین سو روپے قرض لئے تھے جو بیس برابر اقساط میں واجب الادا ہیں اور ایک اضافی قسط بطور سود بھی کٹوانی ہے اب کوئی بتلائے کہ ایک سو چھ روپے ماہانہ لے کر کس طرح گزر اوقات ہو جبکہ بیوی کے علاوہ تین بچے بھی ہوں اور وہ گھر تو کوئی نہ ہوگا جہاں بیماری نہ ہو۔ تھوڑی تنخواہ پانے والوں کے گھر میں تو ایک بار بیماری آجائے تو جانے کا نام نہیں لیتی۔۔ رہی بچوں کی تعلیم تو اس کے متعلق سوچنا گناہ ہے کہ خرچ کون برداشت کرے؟

چند بہی خواہ مشورہ دیتے ہیں کہ مجھے ماہانہ اخراجات کا بجٹ بنانا چاہیئے اور اس حساب سے اخراجات کرنے چاہئیں لیکن بڑی کوشش کے باوجود ہر ماہ کچھ نہ کچھ قرض لینا پڑ جاتا ہے۔ ایک ماہ کچھ ادائیگی کی جاتی ہے تو اگلے ماہ اور رقم بڑھ جاتی ہے۔ میں نے گھریلو اخراجات کا تخمینہ لگایا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

مہینے بھر کے لئے آٹا ایک من دس سیر	۳۰/- روپے
ایندھن (لکڑی مٹی کا تیل)	۲۶/- روپے
بچوں کے لئے دودھ صبح شام (جس میں صبح کے لئے کنبے کی چائے بھی شامل ہے)	۳۰/- روپے
بجلی کا بل	۱۰/- روپے
بناسپتی گھی چار سیر (دیسی گھی؟ لاحول ولا قوۃ)	۲۰/- روپے
صابن (نہانے اور کپڑے دھونے کے لئے)	۹/- روپے
دھوبی (صرف میرے اپنے کپڑوں کا خرچ ہے) ہائے رے سفید پوشی	۵/- روپے
چینی پانچ سیر	۹/- روپے
مصالحہ (نمک مرچ وغیرہ	۵/- روپے
سبزی (روزانہ ۷۵ پیسے کا خرچہ)	۲۲/- روپے
مہینے بھر میں دو بار گوشت (دو بار تو کھا پی لینے دیجئے)	۵/- روپے
شیو کا سامان، دانتوں کا منجن پالش وغیرہ	۵/- روپے
تفریح (کیسی تفریح)	—
میزان	۱۷۰/- روپے

یہ تو ہوا اشد ضروری اخراجات کا تخمینہ ایک سو ستر روپے اور علاج معالجے اور ایک بچے کی تعلیم کے اخراجات الگ رہے (اگر تعلیم دلانے کا خیال ابھی نہیں کیا تو) اگر کبھی اپنے یا بچوں کے لئے کپڑے لینے پڑ جائیں تو پھر سمجھئے چھ ماہ تک اخراجات کا مندرجہ بالا توازن برقرار نہ رہ سکے گا۔ اگر کسی عزیز رشتہ دار کی شادی بیاہ میں گئے تو باقی چھ ماہ تک حسابات میں خلل واقع رہے گا۔ اب کوئی صاحب ہیں جو میرے لگاتے ہوئے اس بجٹنگ میں کسی قسم کی کمی کر دیں ورنہ ہم زندگی نہ گزار سکیں گے۔ زندگی ہی ہمیں گزار دے گی۔ اب تو گزارے کی کوئی صورت نہیں سرکاری ملازم کو کہیں پارٹ ٹائم کام کرنے کی اجازت نہیں شاید اس لئے کہ ملازم کی صحت پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔

یہ صرف ایک کلرک کا مسئلہ نہیں بلکہ ہر مزدور، چپراسی، ڈاکیہ، پولیس کانسٹیبل اور دیگر محنت کشوں کا مسئلہ ہے۔ معاشیات کے ماہرین سے التماس ہے کہ وہ اتنی سی تنخواہ لینے والے کو زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ بتائیں۔

بقیہ برازیل کی مسلح جدوجہد

یہ ہے کہ امریکہ میں جبر و تشدد اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور امریکہ میں ایک ایسی تنظیم قائم ہونا اشد ضروری ہے جو اس ظلم و تشدد کو روک سکے۔

امریکی سامراج کی تشدد پسندی کا خاتمہ صرف دو تحریکیں کر سکتی ہیں۔ پہلی امریکہ میں ظلم و جبر کے خلاف شروع ہونے والی عوامی تحریک۔ دوسری غیر ممالک میں امریکہ کی فوجی مداخلت کے خلاف شروع ہونے والی بین الاقوامی تحریک۔ میں سمجھتا ہوں کہ ظلم و جبر کے خلاف شروع ہونے والی امریکی عوام کی تحریک ہی وہ بنیادی طاقت ہوگی جو ہمیں ظلم و جبر سے بچائے گی لیکن اس تحریک کو ابھرنے میں ابھی مہینوں لگیں گے

ریڈیو پاکستان کے "ہفتہ" طلبہ کا قصہ

بزمِ طلبہ پر طالبات چھائی ہوئی تھیں

احمد ظفر قریشی

ابھی جشنِ تمثیل کو تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ ریڈیو پاکستان کے اربابِ حل و عقد کو نشرگاہ کے اسٹوڈیو بے رونق نظر آئے۔ حاکمِ اعلیٰ نے خاص مشاورتی کونسل کا اجلاس طلب کیا اور فیصلہ صادر ہوا کہ پچھلے سالوں کی طرح اب کے بھی جشنِ طلبہ منایا جائے گا۔ جشنِ طلبہ کے مختلف پروگراموں میں اناؤنسر، کمپیئر کا مسئلہ سامنے آیا تو بندر بانٹ کی ابتدا ہوئی۔ جو ان کے زیادہ قریب تھا اسی کے نام قرعہ نکلا، نہیں نکلا تو زبردستی نکالا گیا۔ بات آگے چلی تو مباحثوں کے لئے قائدِ حزبِ اختلاف اور قائدِ ایوان کی باری آئی۔ تو پھر ایک بار اندھا اپنوں میں ریوڑیاں بانٹنے لگا۔ حصہ لینے والوں کے نام پہلے فہرست میں درج کروائے گئے اور پھر گھروں پر ٹیلیفون کر کے انہیں خوشخبری دی گئی اور انہیں خصوصاً طالبات کو وقت بے وقت بلایا جاتا رہا۔ وہ بے چاریاں پروگرام ملنے کے شوق میں بج کر ریڈیو پاکستان آتی رہیں اور اربابِ اختیار کے لئے خوشیاں بہم کرتی رہیں عجیب جشن کا سماں تھا۔ اکثر ریڈیو پاکستان کے احاطہ کے کونوں کھدروں میں خوشبودار سایے اندھیرے میں ڈھلتے نظر آتے تھے۔ اور کبھی مشفق ہاتھ نوجوان گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے دکھائی دیتے ــــ دروغ برگردن راوی۔

اب کے جشنِ طلبہ پر "عشرۂ اصلاحات" کا سا گمان ہوتا تھا۔ جشن کے شروع ہونے سے لے کر اس کے اختتام تک یہ حالت تھی کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ریڈیو سے جشنِ طلبا کے پروگرام کا اعلان یوں ہوتا تھا کہ سامعین کے ذہنوں میں "عشرۂ اصلاحات" کے اعلانات تازہ ہو جاتے تھے۔ طلبہ کے پروگراموں کی اس قدر اہمیت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ بعد میں ہماری سمجھ میں آیا کہ یہ اعلانات اس وجہ سے ہوتے تھے کہ کچھ طالب علموں کے ناموں کو اتنا دہرایا جائے کہ وہ نام سامعین خصوصاً طلبہ کو ازبر ہو جائیں تاکہ مختلف کالجوں اور یونیورسٹی کے یونینوں کے الیکشنوں پر اثر ڈالا جا سکے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اربابِ اختیار کی یہ کارروائی مؤثر ثابت نہ ہو سکی۔ اس کی واضح مثال جامعہ کراچی کی اسٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکرٹری کی امیدوار فرحین زمان تھیں۔ جنھیں ریڈیو کے اربابِ اقتدار نے الیکشن جتوانے کے لئے ہر ممکن مدد کی لیکن افسوس ہے کہ ریڈیو والوں کے بیٹھ بٹھکنے کے باوجود وہ الیکشن کی ریس نہ جیت سکیں۔

مشاعرہ تو سب نے سنا لیکن دورانِ خانہ جو کچھ ہوا وہ سامعین نے نہیں سنا۔ لیکن اب سنیئے کہ پروگرام کے انچارج نے بعض خوش گو شاعروں کو اس بات کے لئے مجبور کر دیا کہ وہ نظمیں نہیں غزلیں پڑھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مذکورہ طالب علم خوش گو شاعر اگر نظمیں پڑھتے تو پہلے سے تیار کردہ انعامی فیصلے کی فہرست میں ردوبدل کا خطرہ تھا۔ اور ظاہر ہے یہ خطرہ پروگرام انچارج مول لینے کے لئے قطعی تیار نہیں تھے۔ سامعین میں ہم بھی شامل تھے۔ اور عام رجحان کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ ولی احمد رضوی، جاوید عالم منظر اور شوکت عابد کی غزلیں اچھی تھیں لیکن شوکت عابد کے سوا دونوں شاعروں کو قطعی نظرانداز کر دیا گیا۔ نظموں میں ایوب خاور کی نظم خوب صورت تھی لیکن انعام وفا کانپوری اور پروین شاکر دونوں کو بہلا دیا گیا۔ وفا کانپوری پر یاد آیا کہ انہیں پچھلے سال کے مشاعرے کے اکاؤنٹ میں اس سال انعام سے نواز گیا۔ کیوں کہ وہ پچھلے سال انعام نہ ملنے پر پروگرام انچارج پر چڑھ دوڑے تھے۔ پروین شاکر پر مہربانی کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن عمران رزاقی کو دوسرا انعام ...... بعد میں پتہ چلا کہ منصفین کو ان کی پھسپھسی نظم میں ان کا سخت لہجہ پسند آگیا تھا۔

پروین شاکر جشنِ طلبہ سے فارغ ہوئیں تو اناؤنسر بن گئیں۔ ادیب و شاعر تو پہلے سے تھیں۔ خدا انھیں مشفق نظروں سے بچائے کیونکہ ان پر اکثر نظرِ بد کا گمان بھی ہونے لگتا ہے۔ شومئی قسمت دیکھیے کہ نظم ایک پڑھی لیکن نام کا اعلان سات آٹھ بار ہوا۔

پھر ادبی محاکمہ ہوا تو سامعین اسٹوڈیو سے غائب تھے۔ محاکمہ میں شامل طالب علموں کا انتخاب باقاعدہ نہیں ہوا۔ قرعہ ڈالا گیا اور متعلقین کی آنکھوں میں دھول جھونکی گئی۔ اور انتخاب دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر ہوا نتیجتاً پورے محاکمہ میں تقریباً استاد بولتے رہے اور شریک طلبا کی علمیت کا بھرم کھولتے رہے۔ استادوں کی یہ زیادتی ہمیں قطعی پسند نہیں۔

سندھی مباحثہ ہوا تو مس نسرین تالپور کو سنا ہے کہ قائدِ ایوان گھر سے بلا کر بنا دیا گیا کیونکہ ان کے بارے میں ریڈیو کے ان اربابِ اقتدار کا جو مودودی کے نام لیوا رہے ہیں۔ یہ خیال تھا کہ ان کے والد صاحب سندھ کے وزیرِ اعلیٰ بننے والے ہیں ـــــ بہرحال نتیجتاً وہی ہوا جس کی امید تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ دوسرے کئی طالب علم ایسے ہوں گے جو سندھی زبان میں بہترین تقریر کر سکتے تھے۔

ان تمام پروگراموں میں سلیم جہانگیر ایک بار پھر قاری کی حیثیت سے نمودار ہوتے ہمیں تعجب ہے کہ قراءت کے مقابلوں میں انعام پانے والے طالب علموں کو کیوں موقع نہیں دیا جاتا۔ عوامی ادارے کی حیثیت سے ریڈیو پاکستان کے بزمِ طلبا کے پروگراموں میں صرف انھیں طالب علموں کو شرکت کا موقع دیا جائے جو با صلاحیت ہوں۔ انتخاب کے سلسلے میں قرعہ اندازی کی مشق ختم ہونی چاہیے اس کے ساتھ ہی انتخاب کے سلسلے میں ریڈیو کے جوان و بزرگ اربابِ اختیار نے مداحوں کے التفات کا جو معیار مقرر کیا ہے وہ بھی ان کے سنجیدہ فرائض اور ان کے سن و سال کو زیب نہیں دیتا۔



این ایس ایف کنری کے انتخابات

این ایس ایف کے انتخابات کی تاریخ ۸ جنوری رکھی گئی تھی۔ سخت سردیوں کے دن تھے۔ اس کے باوجود نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں نے انتخاب میں اس طرح حصہ لیا جیسے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی انتخابات کے سلسلے میں کام کیا جا رہا ہو ـــــ گھروں گھروں پر جا کر کنویسنگ کی گئی اور ووٹروں کو کشتیوں کے ذریعہ پولنگ اسٹیشن تک لایا گیا۔ انتخابات کی گہما گہمی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ کنری کے بزرگ حضرات اپنے قصہ کے انقلابی اور جوشیلے نوجوانوں کو الیکشن کا کام کرتے دیکھ کر خود بھی مسرور ہو رہے تھے۔

اس انتخاب میں صدر کیلیے ۲ دو، نائب صدر کے لئے تین ۳، جنرل سیکرٹری کے لئے پانچ اور جوائنٹ سیکرٹری کے لئے ۲ امیدوار تھے۔ کنری کی اس چھوٹی سی بستی میں ۵۰ ممبران پر مشتمل پولنگ ہوئی جس کے نتیجے میں منور بھٹی صدر۔ محمد علی بلوچ۔ نائب صدر۔ منصور احمد بھٹی۔ جنرل سیکرٹری اور محمد انور جوائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے۔

حنیف محمد غیر ممالک میں پاکستان سے زیادہ مشہور ہے

لطافت علی صدیقی

"لٹل ماسٹر" اپنے کارناموں کو زندہ رکھنے میں کامیاب ہوجائیگا؟

شاید ۱۹۶۰ء کا ذکر ہے، ایک غیر ملکی نے ہوائی سفر کے دوران ایک پاکستانی سے سوال کیا "آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟"

"پاکستان سے" جواب تھا۔

غیر ملکی نے لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد دوبارہ سوال کیا:

"کیا یہ وہی ملک ہے جہاں حنیف رہتا ہے؟"

ممکن ہے اس واقعہ میں کوئی صداقت نہ ہو، اور محض خیالی ہو، مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کرکٹ کی دنیا میں حنیف محمد پاکستان سے زیادہ مقبول ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حنیف نے اپنی کرکٹ کی جبلی صلاحیتوں کے ذریعہ پاکستان کو کرکٹ کی دنیا سے متعارف کرایا۔

حنیف کو دنیا کے مقبول گراؤنڈوں میں سنچریاں بنانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس نے دنیا بھر میں اپنے شاندار پرفارمینس کا مظاہرہ کرکے، گارفیلڈ، سوبرز اور سر بریڈمین کی طرح اپنے لئے ایک منفرد اور پروقار مقام حاصل کیا ہے۔

۱۹۵۱ء میں حنیف پاکستانی ٹیم کے ساتھ بھارت کے دورے پر گیا۔ وہ اپنی ٹیم کا سب سے کم عمر کھلاڑی تھا۔ اس نے اپنے آبائی ملک میں بیٹنگ کا شاندار مظاہرہ کرکے پاکستان کے "ونڈر بوائے" کا ٹائٹل حاصل کیا۔

۱۹۵۸ء میں ویسٹ انڈیز جیسی بین الاقوامی شہرت کی ٹیم کے مقابلے میں کھیلتے ہوئے ۱۶ گھنٹے اور ۳۹ منٹ میں اس نے ۳۳۷ رنز کا اسکور حاصل کیا اور "لٹل ماسٹر" کے خطاب سے نوازا گیا۔

لیکن عروج و زوال کی ایک قدرتی بات ہے۔ موسم سرما کے بعد موسم بہار کا آنا لازمی ہے۔ بالآخر وہ بھی آگیا۔ جب حنیف نے کرکٹ کی دنیا میں ۱۹ سال تک ایک فاتح کی حیثیت سے گذارنے کے بعد گذشتہ سال ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا۔ حنیف محمد کو "نیشنل سلیکٹرز" سے بھی کچھ اختلافات تھے۔ جس کی وجہ سے اسے کرکٹ سے جبری طور پر ریٹائر کیا گیا۔

لیکن گذشتہ دنوں اپنے وقت کے اس عظیم کھلاڑی نے "بورڈ آف کنٹرول فار کرکٹ ان پاکستان" کو دوبارہ اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ مقابلے کے میچوں میں سو فیصد کھیلنے کے قابل ہے۔ اس اعلان سے کہ لٹل ماسٹر ایکبار پھر کرکٹ کی دنیا کو اپنے کارناموں سے جگمگانے کے لئے میدان میں وارد ہو رہا ہے بلاشبہ پاکستان کا ہر شخص خوش ہوا ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں دو سوالات پیدا ہوئے ہیں۔

اول:۔ کیا وہ ماضی کی طرح شاندار پرفارمینس کا مظاہرہ کرے گا؟

دوم:۔ یا اس نے ماضی میں جو شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں کہیں اسے ضائع نہ کر بیٹھے

ان دو سوالات کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی بے حد اہم ہے۔ کیا اس سال انگلینڈ کے دورے پر جانے والی پاکستانی ٹیم میں حنیف محمد کو شامل کیا جائے گا؟ اگر اسے پاکستانی ٹیم میں شامل نہ کیا گیا تو ایک عظیم کرکٹر کے لئے بڑا المیہ ہوگا۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اسے ٹیم میں شامل کر لیا جائے گا تو کیا اسے انگلینڈ میں اپنی سابقہ پوزیشن کو بحال رکھنے میں مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہر کھلاڑی کو زندگی میں ابھرنے کا ایک موقع ملتا ہے۔ مگر یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا۔ پاکستان ہاکی ٹیم کے سابق کپتان کرنل عاطف کا یہ کہنا اپنی جگہ سو فیصد درست ہے کہ "ایک ممتاز کھلاڑی کو اپنے عروج کے زمانے میں کھیل سے ریٹائر ہو جانا چاہیئے۔" ہمارے سامنے اس کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ گے کاو ملیبر، "ٹڈ ڈیکسٹر" جو ۱۹۶۲ء میں انگلینڈ کی ٹیم کا کپتان تھا، اور اس کی عمر ۲۸ سال تھی۔ اس نے کراچی میں پاکستان کے مقابلے میں کھیلتے ہوئے دوہری سنچری بنائی تھی۔ مگر اس نے اسی سال کرکٹ سے ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا۔ ہاکی کے کھلاڑی حمیدی ۱۹۶۰ء میں روم اولمپک میں اسکور بنانے کے بعد ریٹائر ہو گیا۔ حالانکہ وہ مزید چند سال کھیل سکتا تھا۔

اس کے بعد چند ایسے کھلاڑیوں کی بھی مثالیں ہیں جو باعزت طور پر ریٹائر ہونے کے بعد "دوبارہ کھیل کے میدان میں داخل ہوئے اور ماضی کی کامیابیوں پر پانی پھیر دیا۔ اوول کے ہیرو فضل محمود نے ۱۹۵۴ء میں انگلینڈ کے کھلاڑیوں کی صفیں الٹ دیں۔ مگر ۱۹۶۲ء میں وہ اپنی سابقہ روایت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اور اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں بری طرح ناکام ثابت ہوا۔ اس سلسلے میں فضل کا کوئی قصور نہ تھا۔ کیونکہ اسے ریٹائرنگ کی عمر میں ایک غیر معمولی فرض سونپ دیا گیا تھا۔

دوسری مثال انگلینڈ کے سدابہار کھلاڑی کاؤڈرائے کی دی جا سکتی ہے۔ چند سال پیشتر وہ باعزت طریقے سے ریٹائر ہوگیا۔ اس کے بعد دوبارہ کھیل کی دنیا میں واپس آگیا۔ دو سال پیشتر کپتان کی حیثیت سے اس نے پاکستان کا دورہ کیا تھا اور گذشتہ سال اس نے انگلینڈ کی ٹیم میں ایک ممبر کی حیثیت میں اور ابھی حال ہی میں نیوزی لینڈ کا دورہ کیا۔ اس بات پر تنقید بھی کی گئی کہ اسے ایلنگ ورتھ کی جگہ انگلینڈ کی ٹیم کا کپتان کیوں منتخب نہیں کیا گیا۔ اور اسے نائب کپتان کیوں ہٹایا گیا جبکہ وہ ایلنگ ورتھ سے سینئر ہے۔

آسٹریلیا کے اہم دورے پر کاؤڈرائے نے نصف درجن کیچ چھوڑ دیئے۔ جبکہ ان میں سے کئی بال آسانی سے گرفت میں لئے جا سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کاؤڈرائے کو کھیلنے سے روک دیا گیا۔ وہ لوگ جو ایلنگ ورتھ کے انتخاب پر تنقید کرتے تھے، اب کاؤڈرائے کے "ڈیمپل" کے فیصلے کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ کاؤڈرائے کی بدقسمتی ملاحظہ فرمایئے کہ اسے نیوزی لینڈ جیسی بودی ٹیم کے مقابلے کے لئے بھی منتخب نہیں کیا گیا۔

اس معاملے میں کاؤڈرائے کو بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ اس کے لئے شاندار کھیل کے مظاہرے کا دور گذر چکا ہے اب وہ عمر کی اس حد میں داخل ہو چکا ہے جہاں اس سے غیر معمولی چستی کا تقاضا کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔

ٹھیک اسی طرح حنیف کو بھی اس معاملے میں بار بار غور کرنا چاہیئے کہ اگر وہ کرکٹ کے میدان میں دوبارہ داخل ہوا تو اس سے فائدہ ہوگا یا نقصان۔ کیا وہ اپنے ماضی کے شاندار کارناموں کو از سر نو زندگی دے سکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ فضل محمود کی طرح ناکامی مقدر بن جائے اور کاؤڈرائے کی طرح مشکل کیچ تو کجا آسان بال بھی ہاتھ سے چھوٹ جائیں۔

الفتح

ترکی کا موجودہ سیاسی بحران امریکی سامراج کا پیدا کردہ ہے

ترکی کے انقلابی عوام نے مسلح جدوجہد شروع کردی

نون - الف

"خبردار" کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔"

چار امریکی ہواباز، جو سڑک پر کھڑی گئی رکاوٹ ہٹانے میں مصروف تھے گھبرا کر پلٹے، اپنے سامنے "ترک عوامی فوج" کے حریت پسندوں کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے، حریت پسندوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ان کے سروں پر فلسطینی حریت پسندوں کی طرح رومال بندھے ہوتے تھے، اور ان کا نصف چہرہ چھپا ہوا تھا۔ ان کے قریب ہی ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی، جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"خاموشی سے اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ" حریت پسندوں نے حکم دیا۔ امریکی ہواباز سہمے سہمے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور پھر چند سیکنڈ میں پُراسرار گاڑی، چار امریکی ہوابازوں کو لے کر نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہو گئی۔

اس واقعہ سے چند گھنٹوں کے بعد ترکی کے کے ہول دہشت میں ترک عوامی فوج کے حریت پسندوں کے ہاتھوں چار امریکی ہوابازوں کے اغوا کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ترکی کا دارالحکومت انقرہ فوجی گاڑیوں کی دھمک سے گونجنے لگا۔ ۴۵ ہزار مسلح فوج حریت پسندوں کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔ انقرہ کے مشتبہ علاقوں کا محاصرہ کر لیا گیا، اور جگہ جگہ چھاپے پڑنے لگے "لیکن تلاش بسیار کے باوجود فوجی، امریکی ہوابازوں کا سراغ لگانے میں ناکام رہے، دوسرے دن ایک حریت پسند امریکی ہوابازوں کی گاڑی انقرہ میں روسی سفارت خانے کے سامنے پارک کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا، مگر فوج، اس کی زبان کھلوانے میں ناکام رہی' اس نے اس بات کا اعتراف تو کر لیا کہ اس کا تعلق ترک عوامی فوج سے ہے، اور وہ یونیورسٹی کا طالب علم ہے۔ مگر اس کے آگے اس نے کچھ بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ انٹروگیشن کے حربے اس پر کارگر نہ ہوئے۔

دوسرے دن، ترکی کے تمام اخبارات کو "ترک عوامی فوج" کی جانب سے ایک سائیکلو اسٹائل بیان موصول ہوا جس میں ترکی کی حکومت کو خبردار کرتے ہوئے اعلان کیا گیا تھا کہ ترک عوامی فوج نے ترکی کی زمین سے امریکی سامراج کے نام و نشان مٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے، ڈیمرل حکومت کو مشورہ دیا گیا تھا کہ "ترکی سے امریکی فوج اور امریکی اڈے فوراً ختم کر دیئے جائیں" ترک عوامی فوج، ترکی کے بائیں بازو کے انقلابی طلبا کی سب سے مضبوط اور مؤثر تنظیم ہے، اس تنظیم سے تعلق رکھنے والے انقلابی امریکی سامراج اور ترکی کے رجعت پسندوں کے بدترین مخالف ہیں، اور اپنے انقلابی عمل کے ذریعہ ترکی سے امریکی سامراج کے اثرات مٹانے کے بعد ایک سوشلسٹ نظامِ حکومت کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔

امریکی ہوابازوں کے اغوا اور بازیابی میں ناکامی کے سبب ڈیمرل حکومت کا اقتدار ڈانواڈول ہو گیا۔ امریکی سامراج اپنے زیرِ اثر ملک میں کسی ایسی حکومت کو ہرگز برداشت نہیں کرتا جو اس کے مفادات کا تحفظ کرنے میں ناکام ہو جائے۔

ڈیمرل کی جسٹس پارٹی ۱۹۶۹ء کے انتخابات میں برسرِ اقتدار آئی تھی، اس پارٹی کا سیاسی جھکاؤ واضح طور پر امریکہ کی طرف ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ پارٹی خالص امریکہ نواز پارٹی ہے، اور اپنے اقتدار سے اب تک ترکی میں امریکہ کے مفادات کا تحفظ کرتی آئی ہے۔ اور رجعت پسندوں کے اشارے پر محنت کش عوام اور بائیں بازوں کی انقلابی تنظیموں کو کچلتی اور دباتی رہی ہے۔

ڈیمرل حکومت کی امریکہ نواز پالیسی، اور رجعتی اقتصادی منصوبہ بندی کے سبب ملک میں اقتصادی مسائل اور عام بیروزگاری پھیلتی گئی، عوام میں ڈیمرل حکومت اور ڈیمرل حکومت کے پُشت پناہ امریکی سامراج سے نفرت بڑھتی گئی۔ بائیں بازو کی تنظیموں اور ان کی سرگرمیوں پر کڑی پابندی کے باوجود طلبا اور محنت کش عوام میں انقلابی جذبات ابھرتے گئے" اور آخر کار طلبا اور عوام کی انقلابی سوزش، انقلابی عمل کے ذریعہ پھوٹ نکلی۔ امریکی سفارت خانے پر حملے معمول بن گئے۔

امریکہ نے ڈیمرل حکومت کے اقتدار کو ہلتے ہوئے دیکھ کر اس نقطے کو سمجھ لیا کہ اب اس کی پشت پناہی فضول اور بے معنی ہے۔ چنانچہ امریکی سامراج نے ترکی کی مسلح افواج کو ایک مؤثر مہرے کی طرح آگے بڑھا دیا۔ ترکی کے بَرّی، بحری اور فضائی افواج کے تینوں سربراہوں نے اپنے دستخط سے ڈیمرل حکومت کو مستعفی ہونے کا الٹی میٹم دے دیا۔ دوسری صورت میں طاقت استعمال کرنے کی دھمکی دی گئی۔ امریکی سامراج کی یہ چال کارگر ہوئی، ڈیمرل کابینہ کو مستعفی ہونا پڑا اور ترکی کی سیاسی زندگی ایک نئے بحران سے دوچار ہو گئی۔

ترکی سینیٹ کے صدر نے مسلح افواج کی جانب سے لگائے گئے الزامات کو لغو اور بے بنیاد قرار دیتے ہوئے کہا کہ "مسلح افواج کی اس بیجا مداخلت سے ترکی مزاجیت، انتشار اور خانہ جنگی کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔ مسلح افواج کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ سول حکومت کو اس طرح مفلوج بنا دے۔"

۱۹۶۰ء کے فوجی انقلاب، اس کے بعد بورژوا جمہوریت کی بحالی، ۱۹۶۵ء میں جسٹس پارٹی کے برسرِ اقتدار اور پھر ۱۹۶۹ میں عام انتخابات میں جسٹس پارٹی کی کامیابی سے عوام نے یہ توقعات وابستہ کر لی تھیں کہ اقتصادی اور عوامی مسائل حل ہو جائیں گے اور دوبارہ ترکی کی سیاسی زندگی میں فوج کو مداخلت کرنے کا موقع نہیں ملے گا، مگر عوام کی یہ توقعات پوری نہ ہوئیں اور ان کی زندگی شدید مایوسی کا شکار ہو گئی۔ ڈیمرل حکومت اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سامراجی پالیسی کا دُم چھلا بنی رہی اور کوئی ایسی اصلاح نہ کر سکی جس سے عوام کی زندگی پر منڈلاتے ہوئے مصائب کے بادل چھٹ جاتے۔ ڈیمرل حکومت کی ناکامی دراصل امریکی سامراج کی پالیسیوں کی ناکامی تھی۔ اس دوران ترکی میں امریکی اثرات بڑھتے گئے، ترکی میں امریکی فوجی اڈے قائم ہوتے گئے۔ ترکی میں امریکی فوجیوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ اور عوام میں ڈیمرل حکومت اور امریکی سامراج کے خلاف نفرت بڑھتی گئی۔ ترکی آج جس شدید سیاسی اور اقتصادی بحران میں مبتلا ہے وہ سالہا سال کی رجعتی پالیسی معاشی اور سیاسی استحصال کا ردِ عمل ہے۔

ترکی کے محنت کش عوام اور انقلابی طلبا زیادہ دیر تک اس سیاسی اور معاشی گھٹن کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں ترکی کے رجعت پسندوں نے کھل کھلا کے لیس ہو کر بائیں بازو کی تنظیموں اور رہنماؤں پر مسلح حملے شروع کر دیئے تھے۔ ان تمام باتوں کا یہی نتیجہ نکلنا تھا کہ ترکی کے محنت کش عوام اور طلبا امریکی سامراج، مسلح افواج اور ترکی کے رجعت پسندوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مسلح ہو کر میدان میں آ گئے۔ ڈیمرل حکومت کے استعفا کے بعد سے اب تک ترکی کی سیاسی صورتِ حال ایک انتہائی نازک موڑ میں داخل ہو چکی ہے۔ صدر صونائی موجودہ بے چینی کو ختم کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ مگر حالات ابھی تک سنبھلنے کا نام نہیں لیتے۔ صدر صونائی تمام سیاسی پارٹیوں کی مخلوط حکومت بنا کر جلد از جلد موجودہ حالات پر قابو پانا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے وقتی رد و بدل اور تبدیلی سے سیاسی بے چینی کسی حد تک کم ہو جائے۔ مگر اس سے خوشگوار نتائج کی توقع کرنا حماقت ہو گی۔ کیونکہ عوام اور انقلابی طلبا ترکی کے سیاسی نظام میں مکمل تبدیلی اور ترکی سے امریکی سامراج کے نام و نشان مٹانے کے لئے کمربستہ ہیں ان کے ہاتھوں میں بندوق ہے اور وہ بندوق کے ذریعہ انقلابی تبدیلی کا عزم رکھتے ہیں۔



ادھے، پونے اور پوّے لیڈروں کے بیانات

مقبوضہ اخبارات کے مالکوں نے تیار کئے

پروفیسر عتیق احمد

افسر اور گھوڑے —— دونوں کی قربت سے بزرگوں نے سختی سے پرہیز کی تلقین کی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ان بزرگوں کے زمانے میں صحافت کا رواج بھی ہوتا تو افسر اور گھوڑے سے پرہیز میں بے لگام صحافی کا ضرور اضافہ کر دیا ہوتا۔ افسر اور گھوڑے سے پرہیز میں بھی ایک شرط ہے۔ ایک کی اگاڑی اور دوسرے کی پچھاڑی سے تنبیہ کی گئی ہے۔ مگر بے لگام صحافی کا عجیب معاملہ ہے۔ اس کی اگاڑی اور پچھاڑی دونوں ہی سے پرہیز لازم ہے۔ دوستوں اور دشمنوں کی تخصیص کے بلاوجود سُم پٹخارنے کی عادت ایک ایسا طرفہ تماشا قسم کا مشغلہ ہے کہ اس بے لگام کے آگے رہنے والا اور اس پر سواری گانٹھنے والا بھی کبھی نہ کبھی "دو بخاک وخون غلطیدن" کے مرحلے سے گزر ہی جاتا ہے۔ گذشتہ دنوں اس عمل کی ایک عجیب و غریب روداد ہمیں اسلام پسندوں کے مقبوضہ اخبار میں نظر آئی۔ واقعہ یوں تھا کہ جماعت اسلامی کے جم جم کے اکلوتے امیر الأمراء حضرت ابوالاعلیٰ مودودی آجکل سخت علیل ہیں اور ڈاکٹروں نے انھیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ یہ خبر مقبوضہ صحافیوں کی گرفت میں آئی اور سُم پٹخارنے والی رگ پھڑک اُٹھی۔ مولانا کی سخت علالت کی خبر تو چار کالمی سرخی کے ساتھ چھپنا ہی تھی سو چھپی۔ مگر ستم ظریفوں نے حد ادب اور حد عقیدت کے جذبات سے مغلوب ہو کر حضرت مولانا کی جو تصویر اس خبر کے ساتھ چپکائی وہ کبھی کے بھلے دنوں کی تھی۔ جب حضرت والا کی صحت ایسی مثالی تھی کہ اگر عالمی یوم صحت کے کسی فنکشن میں یہ تصویر رکھوا دی گئی ہوتی تو ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) سے متاثرین اور اسیران جماعت اسلامی کو اپنے امیر الامراء کی نگہداشت اور غور و پرداخت کے سلسلے میں دنیا کی "بہترین ماں" کے مقابلے پر پہلا انعام بصورت فارن ایکس چینج کثیر مقدار میں مہیا ہو گیا ہوتا۔ خیر یہ اسلام پسند سیاست اور صحافت کا اپنا اندرونی معاملہ اور داخلی مسئلہ ہے۔ ہمیں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اسلام میں بیمار کی تیمارداری اور خیر سگالی کے بھی کچھ آداب ہیں۔ مقبوضہ صحافت کی اس ستم ظریفی نے حضرت مولانا کی بیماری کو بھی اپنے لئے تفریح طبع کا بہانا بنا لیا۔ ہماری دعا ہے کہ خدا کرے مولانا جلد صحت یاب ہو کر خود ہی ان بے لگاموں سے نمٹ لیں۔ ویسے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ مولانا طفیل محمد صاحب کے لئے اپنے اختیارات امیر الامرائی کو استعمال کرنے کا یہ نادر موقع ہے۔ یوں بھی ان کے یہ اختیارات عارضی ہیں۔ خدا جانے آگے کیا ہو۔ یہ دور امارت پھر میسر آئے یا نہ آئے۔ لہٰذا اس فرصت یک شب کو غنیمت جاننا چاہیئے ——

خیر تو ذکر دراصل بے لگام صحافت اور صحافیوں کا تھا۔ یہ حکایت تو برسبیل تذکرہ آ گئی۔ گذشتہ ہفتے ان ہی صفحات پر اس ہی بے لگام صحافت اور اس کی پس پشت ڈور ہلانے والی سیاست کا ذکر خیر تھا۔ گذشتہ ہفتے اس صحافت نے ایک اور پہلو بدلا۔ موضوع سخن تو وہی ان کا دل پسند مشغلہ تھا یعنی بھٹو پر الزام اور اتہام تراشی، یعنی

چرچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

پچھلے ہفتے کا موضوع سخن ۱۴ مارچ کو بھٹو کی نشتر پارک والی تقریر تھی۔ ۱۵ مارچ کی صبح کو مقبوضہ اور بازاری صحافت کے اخباروں میں گویا یوم قیامت کا سماں تھا۔ راتوں رات اپنے سربیان اعلیٰ و ادنیٰ سے رابطہ قائم کیا گیا۔ اور جناب بھٹو کے نام سے یہ بیان منسوب کر کے کہ "اقتدار مشرقی اور مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹیوں کو منتقل ہونا چاہیئے"، خصوصی بیانات کی استدعا کی گئی۔ دنیائے صحافت کے معتبر حلقوں کا بیان ہے کہ ۱۵ مارچ کی صبح کو شائع ہونے والے بیانات کا متن بھی متعلقہ اخبارات کے ایڈیٹران کرام ہی نے تیار کیا۔ جو دو ایک ادھے اور پوّے قسم کے لیڈر ٹیلی فونوں پر دستیاب ہو سکے۔ ان کو مطلع کر دیا گیا کہ آپ کے نام سے بیان داغ دیا گیا ہے۔ اور جو لیڈر نہ مل سکے ان کے اہل خانہ کو اطلاع دے دی گئی کہ "صاحب" کا بیان چھپ رہا ہے —— اس شام ہم ریڈیو کی خبریں نہیں سن سکے، البتہ بھٹو صاحب کی تقریر ضرور سنی تھی۔ معلوم ہوا ہے کہ تقریر کے اصل فقرے میں تحریف اور ترمیم سب سے پہلے ریڈیو کی خبروں میں دی گئی۔ (واللہ اعلم) اگر یہ بات صحیح ہے تو ہم ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل سے استدعا کرتے ہیں۔ اور پیپلز پارٹی کے سیکرٹری نشر و اشاعت کی توجہ مبذول کراتے ہیں کہ متعدد ان ریڈیو پاکستان سے اس کی وضاحت چاہی جائے کہ اس وقت کی خبریں کون "کریڈ" کر رہا تھا اور اس کو اصل بات سے گریز کرنے اور اس کا حلیہ بگاڑنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ یہ بات ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے خود بھٹو صاحب کی تقریر سنی تھی۔ اور ان کا اصل فقرہ یہ تھا کہ "اب انتقال اقتدار کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر انتقال اقتدار ہونا ہی ہے تو مشرقی اور مغربی پاکستان کی دونوں اکثریت والی پارٹیوں کو ہونا چاہیئے"۔ لیکن دوسرے دن اس فقرے کو بینر لائن والی خبر بنا دیا گیا اور اس کی ترمیم اور تنسیخ اس انداز پر کی گئی اور اس کا مطلب یہ بتایا گیا کہ بھٹو نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں دو علیحدہ علیحدہ حکومتوں کے قیام کا مطالبہ کر دیا۔ حالانکہ دوسرے ہی دن بھٹو صاحب نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی اور لکھا ہوا بیان پریس کو جاری کیا اور اپنا اصل فقرہ دہرایا —— مگر جناب اب تو اخباروں کی یہ غلط سلط تاویل گویا گل محمد کی طرح دھرنا مار کر بیٹھ گئی۔ سرمایہ پرست اور اسلام پسند سیاستدانوں کے مقبوضہ پریس کے بھاگوں گویا دوسرا چھینکا ٹوٹا ہے۔ اب میدان سیاست کے ہارے ہوئے جواری ہیں۔ اور خرکارانہ صحافت ہے۔ جو الفاظ کے بھاگے ہوئے بچوں کو پکڑتے ہیں اور غلط سلط تاویلات کے کولھو میں ان معصوم الفاظ کو جوت رہے ہیں۔ اس سارے مقبوضہ پریس کا ایک ہی کورس ہے۔ ایک ہی لے اور ایک ہی سُر تال ہے کہ بھٹو نے پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کر دی۔ آہ و فغاں کے آسمان شکن نالے اور شیون ہیں کہ آسمان سے زمین تک کسی بیوہ کے بین کی صورت پوری کائنات کو ہلائے دے رہے ہیں۔ پوچھیے —— یہ کہتے ہیں کہ دو اکثریتی پارٹیوں کو انتقال اقتدار کا مطالبہ اور کیا معنی رکھتا ہے؟۔ اِن سے پوچھئے کہ اے برادران یوسف ہارون! کیا بھٹو نے دو وزیراعظموں کا مطالبہ کیا ہے؟۔ کیا دو مرکزی وزارتوں کی بات کی ہے؟ —— جواب ملتا ہے "مٹھو ہوئی۔ مٹھو مُوں۔ نبی جی چُوری بھیجو" اچھا بھائی! تم چُوری کھاؤ۔ تمہارا سارا مسئلہ ہی چُوری ملنے کا ہے —— امریکہ ساختہ فورموسٹ مکھن اور امریکی گندم کے آٹے اور امریکی چینی کی چُوری —— یہی

۱۵ مارچ مقبوضہ اور ہارونی صحافت میں یوم قیامت تھا

تمہارا مسئلہ ہے ـــــ تھینک یو امریکہ ـــــ اس سارے قضیئے میں دو باتیں بہت مزے کی ہیں۔ وہ بھی سن لیجئے۔

ایک یہ کہ گزشتہ دنوں شیخ مجیب الرحمٰن نے تو صاف صاف کہدیا تھا کہ دستور صرف اور صرف چھ نکات پر بنے گا۔ مغربی پاکستان اگر چاہے تو اپنی مرضی کے مطابق اس میں ترمیم کرلے لیکن ہمارے مقبوضہ پریس نے مجیب صاحب کی اس صاف گوئی کو بھی آنکھوں دیکھتے مکھی کی طرح نگل لیا۔ اور کسی کو جرأت تک نہ ہوئی۔ یہ لکھنا کہ مجیب صاحب کے اس فقرے کا مطلب صاف صاف دو دستوروں کی بات ہے۔ جب دو دستور ہوں گے تو کیا اس کے معنی ایک مملکت کے ہوں گے ؟ یہ حرف نظر کیوں تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے وہ دوسری مزیدار بات بھی سن لیجئے اور وہ ہے بھٹو کے اس ترمیم شدہ فقرے پر مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کے پونے آدھے اور پونے قسم کے سیاست دانوں کے بیانات جس فقرے کو مقبوضہ پریس نے بھٹو کی ٹوپی سمجھ کر گلی گلی اچھالا ہے۔ یادش بخیر کبھی ایک سیاسی جماعت اس ملک میں بڑے طنطنے اور دبدبے کی ہوتی تھی۔ اسلام، پاکستان، نظریہ پاکستان اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی بلا شرکت غیرے اجارہ داری کا ٹھیکہ جانسن، ہکسن اینڈ بیادرز لمیٹڈ کی طرف سے ان کے نام چھوٹا تھا اللہ اکبر کس دبدبے اور رعب وداب کی سیاست تھی کہ پاکستان بھر کے کباڑیئے اپنے کباڑ خانوں کو کیل کانٹوں سے صاف اور پاک کر رہے تھے۔ اس لئے کہ اس جماعت نے اپنے مخالفین کی زبانیں تھوک کے بھاؤ سے گدی سے کھینچ دینے کا الٹی میٹم دے دیا تھا۔ اور ملک کے سارے کباڑیئے ان زبانوں کے بدلے زرمبادلہ کمانے کے چانس پر پوری سنجیدگی سے غور کرنے پر کے چانس پر پوری سنجیدگی سے غور کرنے پر مائل ہو چلے تھے اس ہی عظیم الشان اور عظیم القوت کی حامل سیاسی پارٹی کی چار نفری فقید المثال پارلیمنٹری پارٹی کے والا جاہ لیڈر ہیں۔ غفور احمد نام اور پروفیسر تخلص فرماتے ہیں ـــــ (افسوس الفتح کے ایڈیٹر صاحب نے ہمیں بھی مستقل طور پر یہی تخلص عطا فرما دیا ہے۔ ہم جناب غفور احمد سے بہت شرمندہ ہیں) ـــــ رعب ان کا بھی وہی نادر شاہی ہے بھٹو صاحب کے ۱۴ مارچ والے جلسے میں جناب طارق عزیز نے امریکہ ٹھاہ ولیکا ٹھاہ ـ وڈیرا ٹھاہ۔ یہودی ٹھاہ اور وغیرہ وغیرہ ٹھاہ کرائی تھی۔ حضرت پروفیسر الٰہ آبادی اس پر بہت سیخ پا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بھٹو صاحب کے جلسے میں اس ٹھاہ ٹھاہ کے ذریعہ سے گویا پاکستان کو ٹھاہ کر دیا گیا ـــــ اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولتا ہے۔ یعنی مطلب یہ کہ اب پاکستان کا مطلب لا الہ نہیں امریکہ، ولیکا یہودی اور وڈیرا وغیرہ وغیرہ ہو گیا ہے۔ ہم اپنے قلم سے ان کے حضرت والا تبار کا نام ٹھاہ کے ساتھ لکھنا پسند نہیں کرتے۔ مگر اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ پاکستان، اسلام، نظریہ پاکستان اور نظریاتی سرحدیں گویا امریکہ یہودی اور وڈیرا وغیرہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ جناب مودودی کی ذات بابرکات سے بھی منسلک ہیں ـــــ یہ بات پہلے ہم ایسے عامی اور عوامی کہتے تھے۔ تو امیران اور اسیران جماعت بہت ناراض ہوتے تھے۔ نہ جانے یہ صاحبان اپنی چار نفری پارلیمنٹری پارٹی کے اکلوتے لیڈر کے اس بیان پر اب تک کیوں داد و تحسین کا اظہار نہیں کرتے۔

ایک حضرت پروفیسر الٰہ آبادی ہی پر کیا منحصر ہے۔ آجکل یوں لگتا ہے کہ شکست خوردہ سیاست دانوں کے مشترکہ حمام میں سب ہی بے لباسی میں نظر آرہے ہیں۔ سب کا ایک ہی بات پر اصرار ہے کہ بھٹو نے دو پاکستان کی تجویز پیش کردی۔ چند ایک بیانات کی سرخیاں دیکھ لیجئے۔

- بھٹو اقتدار کی منتقلی کے سوال پر ملک میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔ (مفتی محمود)
- کسی شخص کو ہوس اقتدار میں مبتلا ہو کر ملک کے ٹکڑے کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی (دولتانہ)
- بھٹو کی تجویز تصور پاکستان کے منافی ہے۔ (اصغر خاں)
- یہ بات قابل افسوس ہے کہ مفاد پرست عناصر ملک کو تقسیم کرکے مغربی پاکستان کے عوام پر اپنی آمریت تسلط کرنا چاہتے ہیں (طفیل محمد)
- مغربی پاکستان کا اقتدار بھٹو کے سپرد کرنے کی تجویز نا قابل فہم ہے (عبدالولی خاں)

یہ صاحبان ہماری "سیاست" کے آبا و اجداد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نوزائیدہ نامی گرامی پہلوانان سیاست وجود میں آگئے ہیں "کبوتران حرم پارٹی" کا یہ پورا بریگیڈ بھی وہی کہہ رہا ہے جو ان کے ہم پیشہ دوسرے حضرات کہہ رہے ہیں۔

اس تمام واویلے کی پشت پر جو کچھ ہے وہ وہی کانٹا ہے جو اقتدار کی مسند ان حضرات کے پاؤں تلے سے نکل چکی ہے اور اب یہ سارے اپنے اس ہی مشترکہ مفاد کے ہاتھی کی دم سے بندھی ہوئی ستلی کو پکڑے ہوئے کبھی اس ستلی کو دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے گذشتہ دبدبے اور طنطنہ کو یہ ستلی اب انہیں اقتدار کے ہاتھی کی یاد دلاتی ہے۔ اقتدار کے ہاتھی کی چال بھلا گردش زمانہ کی رفتار کو کہاں پہنچتی ہے ؟

اب ساری جھلاہٹ کا لب لباب اب ان کا یہ نعرہ رہ گیا ہے کہ بھٹو اقتدار کی خاطر ایک

تمہارا سارا مسئلہ ہی
چھوری ملنے کا ہے

سازشی کھیل کھیل رہے ہیں۔ بھٹو کو آج غدارِ وطن ٹھہرا دیا گیا ہے۔ یہ بھی زمانے کی گردش ہی کا ایک رخ ہے۔ کل کو یہ خطابات شیخ مجیب کو عطا کئے جاتے تھے۔ ذرا چھ نکات پر ان ہی حضرات کی وہ گرانقدر آرا بھی ایک نظر دیکھ لیجئے جو کبھی ان صاحبان کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبانوں سے نکلتے تھے۔

- شیخ مجیب کے چھ نکات انگریزی زبان میں تیار کئے گئے ہیں۔ جو امریکی مقاصد پورے کرتے ہیں اور اسلام کے منافی ہیں (اسعد گیلانی)
- "ایک غیر ملکی سفارت خانے کے عملے نے مشرقی پاکستان جا کر عوام کو چھ نکات کا مشورہ دیا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن چھ نکات کے ذریعہ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے بھارت کے لئے تر نوالہ بنانا چاہتے ہیں۔ سوشلزم اور بنگلہ دیش کے حامی بھارت اور مغربی بنگال چلے جائیں ان کے لئے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں ہے"۔ (طفیل محمد)
- "شیخ مجیب الرحمٰن سیکولرزم کی تبلیغ کر رہے ہیں ان کے چھ نکات قومی سالمیت بلکہ مشرقی پاکستان کے مفادات کے بھی منافی ہیں"۔ (پروفیسر غلام اعظم)

"شیخ مجیب کے چھ نکات ملک کی تباہی کا سامان ہیں"۔ (فضل القادر چودھری)

- "ہم نے چھ نکات کی مخالفت ہمیشہ کی ہے شیخ مجیب کے چھ نکات پاکستان کی سالمیت کے خلاف ہیں"۔ (دولتانہ)
- "مشرقی پاکستان میں ایک کروڑ مضبوط ہندو ہیں .... جو مجیب کی اس لئے حمایت کر رہے ہیں کہ ان کے چھ نکات کے ذریعے ہندوؤں کے منصوبوں کی تکمیل ہو جائے گی۔ چھ نکات کا نعرہ لگا کر مجیب ملک میں دوبارہ مارشل لاء لگوانا چاہتے ہیں"۔ (نوابزادہ نصر اللہ خاں)
- "مشرقی پاکستان کی سیاست پر ہندوؤں کا گہرا اثر ہے۔ بہت سے ہندو عوامی لیگ میں شامل ہو گئے ہیں"۔ (نور الامین)

یہ حوالہ جات ان لیڈروں کی جنوری ۱۹۷۰ سے مئی ۱۹۷۰ء تک کی مختلف تقریروں میں سے لئے گئے ہیں۔ یہ تقریریں اتنی پرانی نہیں ہیں کہ عوام ان کی بازگشت بھلا چکے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ آج بھی وہی مجیب ہیں۔ ان کے وہی چھ نکات ہیں۔ جن لیڈروں کے نام دیئے گئے ہیں وہ بھی "بجنسہٖ" موجود ہیں ـــــ اب ان سے کون پوچھے کہ حضرات آج مجیب اور ان کے چھ نکات کے سلسلے میں آپ کی پدرانہ شفقتیں کن وجوہ کی بنا پر ہیں ؟ ان چھ نکات میں ان کے پس پشت جذبے اور عزائم میں کون سی تبدیلی آگئی ہے ؟ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کا عوامی لیگ پر اثر اب کیا ہوا ؟ ـــــ یہ حضرات خاموش ہیں۔ چھ نکات میں تبدیلی کی بات بھٹو کرتے ہیں۔ وہ غدار ہیں۔ اقتدار پرست ہیں۔ اور جب آپ کرتے تھے تو آپ محب وطن۔ محافظ اسلام اور پاکستان کی یکجہتی کے اجارہ دار تھے۔ آج کا ہر فرد ان سے یہ سوال پوچھ رہا ہے کہ چھ نکات اور شیخ مجیب

کے بارے میں آپ کی موجودہ روش زبانِ خاموشی کس طلسم کو توڑ رہی ہے؟ مفاد پرستی، ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر مصلحت کوشی، اقتدار کے ہاتھی کی دُم سے چمٹنے کا عزم، یہ سب باتیں کون کر رہا ہے؟ —— عوام پوچھتے ہیں کہ سازش کون کر رہا ہے؟ سازشی کون ثابت ہو رہا ہے؟ اور یہ سازش کس لئے ہے؟

اقلیتی سیاسی پارٹیوں کے کنونشن یہ کنونشن کیوں بلائے جا رہے ہیں؟ شیخ مجیب کو ان کی حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ اور بھٹو کو اقتدار پسندی کا ڈپلومہ عطا فرمانے والو! اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لو۔ کیا تمہارے قلوب اتنے سیاہ ہو گئے ہیں کہ تمہیں اپنے ضمیر کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی؟ اقتدار ایک وقتی دھوپ ہے جو جلد یا بدیر ڈھل جاتی ہے۔ اس دھوپ پر کسی کی گرفت دوامی نہیں ہوتی سازشوں کے بل پر اقتدار کی ہزار سالہ زندگی سے حق گوئی کا وہ لمحہ بہت قیمتی ہے جو کسی عام انسان کے نام کو تاریخ انسانیت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لکھ دیتا ہے۔ اسی لمحہ پر گرفت کا عمل اور اقتدار کی چلتی پھرتی چھاؤں کے پیچھے دیوانہ وار دوڑنے کی سعی لاحاصل —— یہی کچھ مردانِ کارزار کے کرنے کی چیز ہے۔ ہمیں اس بات پر دکھ ہے کہ ہماری اقلیتی سیاسی پارٹیاں بڑی ہی بے حوصلہ ہیں اور ۲۳ سالوں سے جو چرکے وہ قوم کو دے رہے تھے اور جن کی بنا پر آج پاکستان کا وجود ہوا پر محسوس ہوتا ہے وہ سب کچھ بھی ان کی آنکھوں پر سے ہوسِ اقتدار کی پٹی نہیں ہٹا سکا۔ یہ بے حوصلگی اب ان سیاست دانوں کا نشانِ امتیاز بن کر رہ گئی ہے۔ ہم ایک بالکل معمولی سا سوال ان کے سامنے رکھتے ہیں (یہ کوئی نئی بات نہیں پچھلے دنوں اسے بہت دہرایا گیا ہے مگر چونکہ ایک بنیادی حقیقت ہے اس لئے اس کا جواب ضروری ہے۔)

چھ نکات کے سلسلے میں جناب بھٹو نے شیخ صاحب سے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ یہ یقین دہانی کرا دیں کہ پیپلز پارٹی کا موقف اگر چھ نکات کی ترمیم کے سلسلے میں معقول ہو تو منظور کر لیا جائے گا؟ اس یقین دہانی میں یہ مطالبہ نہیں تھا کہ لازمی طور پر چھ نکات میں ہی تبدیلی ہو۔ مغربی پاکستان کی باقی ساری ہی پارٹیوں کا رویہ یہ تھا کہ یہ مطالبہ غلط ہے۔ تاویل یہ تھی کہ دستور پر بات اسمبلی ہی میں ہو۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن اول تو یہ کہ یہ دستور میں تبدیلی پر یقین دہانی کا مسئلہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ اس مطالبہ سے پہلے ہی شیخ صاحب نے دستوری ڈھانچہ (یعنی چھ نکات) پر برسرِعام اپنے پارٹی ممبروں سے پلٹن میدان میں حلف لے لیا تھا۔ یہ صورت دستور کو اسمبلی سے باہر کھینچ لانے کی تھی۔ لیکن شکست خوردہ عناصر اگرچہ برسے تو صرف پیپلز پارٹی پر ——

یہ لاوا اس کے علاوہ اور کس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایک خفیہ انتقامی جذبہ تھا جو کسی نہ کسی بہانے پھٹنا تھا اور وہ پھٹا —— اور اس کے بعد سے اب تک وہی صورت برقرار ہے —— یہ انتقامی کارروائی اگر حصول اقتدار کی خفیہ سازش نہیں تو اور کیا ہے؟ —— اور اس کھیل کو کون کھیل رہا ہے؟ —— عوام پر سب کچھ واضح ہے۔ یہ صورت حال بڑے اضطراب اور بے چینی کو جنم دے رہی ہے۔ عوام کے جذبات مشتعل ہیں۔ اور وہ ان سوالات کا سیدھا اور صاف جواب چاہتے ہیں

بقیہ: سیاست نامہ جدید

سر پر اٹھا لیا۔ بھئی میرا مطلب ہرگز یہ نہیں۔ یہ بھلا مشعل جادر کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ تو سیاسی رہنما ہیں۔ البتہ اکثر سیاسی اقدام خودکشی کرتے رہتے ہیں اور ہر بار بچ جاتے ہیں۔ الیکشن لڑ کر بھی انھوں نے یہی اقدام کیا تھا۔ اب یہ کمین گاہ سے باہر ہیں۔ بیانات کے تیر چلاتے ہیں۔ کل تک ان کے لئے عوامی لیگ مرتد اور گردن زدنی تھی۔ آج مشرف بہ اسلام ہے۔ عجیب لیل و نہار ہیں۔ عقل حیران ہے کہ یہ دو دن میں کیا ماجرا ہے۔ یہ صرف ان کا حال نہیں۔ ان کے ساتھ جو دوسرے بیٹھے ہیں۔ سب کا یہی حال ہے۔ سب ایک ہی انداز سے سوچتے ہیں۔ ایک ہی انداز سے سیاست بگھارتے۔ ایک ہی طرز کی بیان بازی کرتے ہیں۔ عوام کے غم میں دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں اور عوام اس مسخرے پن پر قہقہے لگاتے ہیں۔ ارے، ارے یہ تمھیں کیا ہوا؟ بچو! تم انھیں دیکھ دیکھ کر ٹھٹھے کیوں مارتے ہو۔ سیٹیاں کیوں بجاتے ہو۔ خدا کے لئے "سیاسی یتیموں" کی فریاد والا کورس نہ شروع کر دینا۔ ہیں غریب مفت میں مارا جاؤں گا۔

شاہ احمد نورانی کے نام ایک پان فروش کا خط

PAKISTAN پاکستان 5 PAISA POSTAGE
PAKISTAN پاکستان 5 PAISA POSTAGE
13 M
پتہ
جناب شاہ احمد نورانی
معرفت ہفت روزہ الفتح
۸۷ - ڈی بلاک کمرشل ایریا

مُعلوم ہوتا ہے آپ بزنس میں بالکل اناڑی ہیں

(ہفت روزہ الفتح کی معرفت مولانا شاہ احمد نورانی کے نام پشاور کے ایک پان فروش کا خط آیا ہے۔ ہمیں بھی پان والے کی طرح نورانی میاں کا پتہ نہیں معلوم ورنہ ان تک یہ خط پہنچانے کی عزت ضرور حاصل کرتے لہٰذا ہم اس خط کو الفتح کے صفحات پر جوں کا توں شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ ایک پان فروش کی گزارشات نورانی صاحب تک بھی پہنچ جائیں (ادارہ))

جناب مولانا نورانی صاحب!

بعد سلام معلوم ہو کہ الفتح کے اس ہفتے کے شمارے میں آپ کے پان کی خرید فروخت کا معاملہ پڑھا، یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ آپ کے پان بہت سستے بک گئے۔ اگر آپ اپنا مال کچھ دن روک کر فروخت کرتے تو یہ پان ۱۸۰ روپے سیر کے حساب سے بھی فروخت ہو سکتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بزنس میں بالکل اناڑی ہیں۔ اگر آئندہ کبھی مشرقی پاکستان جانے کا اتفاق ہو تو بے دھڑک شیخ صاحب سے منوں کے حساب سے پان لے آئیں —— ہمارے پاس ایک ایسا نسخہ ہے کہ پان مہینوں تک خراب نہیں ہوتے۔ اگر معاملہ کرنا ہے تو منافع میں ہمیں بھی شریک کرنا پڑے گا۔

آخر میں گزارش ہے کہ اگر ایک آدھ سیر پان بچ گئے ہوں تو ہمارے پتے پر بھیج دیں۔

نوازش ہوگی۔ جواب کا منتظر

سیٹھ پان فروش

بازار کریم پورہ پشاور۔ صدر۔

ریلوے پولیس نے ورثا کی موجودگی میں

لاش لاوارث قرار دے دی

نمائندہ الفتح

۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو سٹی ریلوے اسٹیشن کے نزدیک ریلوے لائن پر ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی ملی۔ ریلوے پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ تحقیقات کی اور اس کے نتیجے میں اسے لاوارث قرار دے کر سول ہسپتال بھیج دیا۔ جہاں پوسٹ مارٹم ہوا۔ ایک سرٹیفکیٹ جاری کیا گیا جس میں موت کا سبب ریل کا حادثہ قرار دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی لاش دفنا دی گئی۔ یہ کس کی لاش تھی اسے لاوارث کیوں قرار دیا گیا جبکہ اس کے وارث ریلوے پولیس کے دروازوں پر بار بار دستک دیتے رہے۔ جبکہ متوفی کے جسم پر وہ وردی بھی تھی جو اس کی شناخت ظاہر کرتی تھی۔ پھر پوسٹ مارٹم کے بعد بھی لاش اس کے وارثوں کو کیوں نہیں دکھائی گئی؟ یہ سوالات ایک ایسی کہانی کو جنم دیتے ہیں جو ہمارے موجودہ سماج میں تقریباً ہر روز جنم لیتی ہے۔ لیکن اپنے پیچھے کوئی ایسے نشان نہیں چھوڑتی جو عبرت کا مرقع بن کر سماج دشمن عناصر کے لئے تازیانہ بن سکیں۔

ریلوے لائن پر ملنے والی یہ لاش گل محمد ولد احمد خان کی تھی جو کے ایم سی ہسپتال نیو چالی میں چار یا پانچ سال سے خانساماں کے طور پر ملازم تھا۔ وہ ریلوے لائن پر مردہ حالت میں پایا گیا تھا۔ اس کا بھائی دین محمد اس کی گمشدگی پر اسے تلاش کرتا ہوا سٹی اسٹیشن پہنچا تو اسے لاش نہ تو دکھائی گئی اور نہ اس کے حوالے کی گئی۔ بلکہ اسے لاوارث قرار دے کر سول ہسپتال بھیج دیا گیا جہاں پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اس کی موت کا سبب ریل کا حادثہ قرار دیا گیا۔ لیکن متوفی کا بھائی دین محمد اس کی ایک مختلف کہانی سناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے بھائی کی موت کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں بلکہ اسے چند لوگوں نے پرانی دشمنی کی بنا پر مبینہ طور پر قتل کر کے ریلوے لائن پر ڈال دیا اور پھر اس کے بعد ان مبینہ قاتلوں نے ریلوے پولیس اور سول حکام کے ساتھ مل کر اس مبینہ قتل کو ریلوے کا حادثہ قرار دلوا دیا۔ دین محمد کہتا ہے کہ اس کی مکمل طور پر تحقیقات کی جائے تاکہ مبینہ ملزموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے۔

دین محمد اعلیٰ حکام کو اب تک کئی درخواستیں دے چکا ہے۔ پہلی درخواست اس نے ۲ر نومبر ۱۹۷۰ء کو گورنر سندھ، آئی جی پولیس سندھ، ایڈیشنل آئی جی سندھ کے نام ارسال کی تھی۔ دوسری درخواست ۱۴ر نومبر کو ڈی سی کراچی، ایس پی ریلوے کراچی اور ایس پی ویسٹ ڈویژن کراچی کو دی اور تیسری درخواست ۱۰ر دسمبر کو مارشل لاء حکام کو دی۔ جنہوں نے ۲۱ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو ایڈیشنل ڈی آئی جی پولیس کراچی، ایس پی ریلوے، ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ریلوے میڈیکل آفیسر کے ایم سی اور ڈی آئی جی ویسٹ پاکستان ریلوے لاہور کو روانہ کیں۔ اور پھر بھی جب اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو ۲ر مارچ ۱۹۷۱ء کو صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو ایک درخواست بھیجی جس میں تمام صورت حال کی تفصیل کے ساتھ یہ درخواست کی گئی کہ اس سارے معاملہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں ریلوے پولیس کا رویہ زیر بحث لانا ہے جس نے ایک معمول خانساماں کے معاملے کو اس قدر معمولی سمجھا کہ آزردہ حال وارثوں سے بات تک کرنا گوارا نہیں کی۔ یہ وارث جب کوشش کر کے رکن قومی اسمبلی عبدالحفیظ پیرزادہ سے سفارش لکھوا کر لے گئے تو ایس پی ریلوے نے نہ صرف متوفی کے بھائی دین محمد کو بہت رکھائی سے جھاڑ دیا۔ بلکہ بند کرنے کی دھمکیاں بھی دیں۔ پولیس کے اس ظالمانہ رویئے کے خلاف پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ لکھنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور نہیں نکلا کہ لکھنے والوں کو کسی نہ کسی طرح شکنجے میں جکڑنے کی کوششیں سوا کر دی گیئں۔ ہم انہی کالموں میں پہلے بھی تنبیہہ کر چکے ہیں اور اب پھر انہیں متنبہ کرتے ہیں کہ جاگیردارانہ سماج ٹوٹ پھوٹ رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ سماج اپنے تضادات کے ہاتھوں پس رہا ہے۔ عوامی طاقتیں ابھر رہی ہیں اور وہ ان نظاموں کے لڑکھڑاتے ہوئے بوسیدہ ایوانوں کو گرا دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ سماج کی اس پولیس کو بھی اب نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیئے۔ ابھرتی ہوئی عوامی قوتوں یا ان سے تعلق رکھنے والے افراد کے خلاف برطانوی دور کے حاکمانہ انداز فکر کو اسے اب بدل دینا چاہیئے ورنہ عوامی قوتیں جب سیلاب کی مانند ابھرتی ہیں تو وہ وردی اور سادہ لباس میں کوئی تخصیص نہیں کرتیں۔

متوفی کے بھائی دین محمد نے صدر کے نام اپنی درخواست میں متوفی گل محمد کے ساتھ کام کرنے والے چار افراد اور ان میں سے ایک کے رشتہ دار کو اس حادثہ کا ملزم قرار دیا ہے۔ اور ان کے نام اس نے سکندر خانساماں، مقیم چوکیدار، ماسٹر اسٹور کیپر آیا نام نامعلوم (تمام ملازمین کے ایم سی ہسپتال، نیو چالی کراچی) اور پہلوان (ماسٹر کا رشتہ دار) بتائے ہیں۔

اس سلسلے میں اس نے درخواست میں جو تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ مختصراً کچھ یوں ہیں: "کچھ عرصے قبل گل محمد کا چوکیدار کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس میں ماسٹر بھی براہ راست ملوث تھا۔ اس کی رپورٹ فوری طور پر ڈاکٹر انچارج کو بھی کی گئی تھی اس کے بعد یہ تمام لوگ گل محمد کے خلاف ایک پارٹی بن گئے۔۔۔۔۔۔ ان تمام افراد نے گل محمد کو نقصان پہنچانے کے لئے پروگرام تیار کیا اور اس سلسلے میں باقاعدہ ایک گروہ بنایا گیا۔ یہ تمام مذکورہ افراد اس گروہ کے مستقل اراکین تھے۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ کو گل محمد اپنی ڈیوٹی پر گیا لیکن واپس نہیں آیا۔ شام کو جب وہ گھر نہیں پہنچا تو اس کے دفتر میں سے معلوم کیا گیا۔ جہاں سے جواب ملا کہ وہ ۲½ بجے دفتر سے جا چکا ہے۔ اور اب ریلوے اسٹیشن سے اس کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔ جب میں ریلوے اسٹیشن پہنچا تو معلوم ہوا کہ ریلوے لائن پر ایک لاش پائی گئی ہے۔ جو ریلوے پولیس کے پاس ہے اور وہ اس معاملے کی تحقیقات کر رہی ہے۔ لیکن جب میں نے مذکورہ پولیس سے رابطہ قائم کیا تو مجھ سے کہا گیا کہ سول ہسپتال جاؤں۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ اس سلسلے میں میں اعتراضات نہ اٹھاؤں اور نہ ہی کسی قسم کی شکایت کروں۔ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھے لاش ملنے میں بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔"

"میں جب ہسپتال پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ماسٹر اس کا رشتہ دار پہلوان اور ایک اور شخص ہسپتال کے کمرے کے باہر ایک بینچ پر بیٹھے ہیں۔ ماسٹر نے مجھے ہسپتال کے عملے کے کسی فرد سے بات نہیں کرنے دی اور نہ ہی ان سے کوئی رابطہ قائم کرنے کا موقع دیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کراچی میں ہوں اور اپنے بھائی کے ساتھ ملیر میں رہتا ہوں، لاش کو ہسپتال میں لاوارث قرار دے کر داخل کیا اور مجھے میرے بھائی کی موت کی اطلاع تک نہیں دی۔ ماسٹر سے جب میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اسے گل محمد کے مرنے کی اطلاع نہیں تھی۔ لیکن مجھے پاس بیٹھے

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں

Certified that I have performed Post Mortem Examination on the dead body of *Gul Mohammad S/o Ahmad Khan* aged about *25 Yr* this day *of 23 Octr. 70* vide Post Mortem No *570/* and found that the cause of death was *Haemorrhage & shock due to Railway accident*

He was not suffering from any infectious nor contageous disease.

His relative be permitted to carry the dead body to their native, place out of Karachi by any means in a sealed coffin.

Dr. M.S.A. Farooqui
A. FAROOQUI

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ جس میں متوفی کی ہلاکت ریل کے حادثے کا نتیجہ بتائی گئی ہے

سندھ میں سیم اور تھور کا مسئلہ

سرکار کے ٹیوب ویل صرف بڑے زمینداروں کیلئے ہیں

نمائندہ الفتح

سندھ میں سیم اور تھور کی روک تھام کے لئے حکومت نے ایک محکمہ قائم کیا ہے۔ اس محکمہ کا نام "اسکارپ" (SCARP) ہے۔ اس محکمے کے بجٹ میں بڑی بھاری رقوم رکھی جاتی ہیں، لیکن سیم اور تھور میں کمی کی بجائے روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور سندھ کی زراعت اس محکمے کی ناقص کارکردگی کی بدولت روز بروز تباہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔

گذشتہ چند سالوں کے دوران اس محکمے نے خیرپور، نواب شاہ، سانگھڑ اور دوسرے علاقوں میں کئی سو ٹیوب ویل لگائے تھے۔ ان ٹیوب ویلوں کا مقصد ایک طرف زمین کو سیم سے بچانے کے لئے زیر زمین پانی کی نکاسی تھا تو دوسری طرف اس پانی کو کھیتوں میں زراعت کے لئے استعمال کرنا تھا۔ ظاہر ہے یہ منصوبہ غریب کسانوں اور ہاریوں کے لئے بڑا خوش آئند تھا۔ اور وہ اس منصوبے کی تکمیل سے پہلے یہ امیدیں باندھنے لگے تھے کہ انھیں بھی سرکاری ٹیوب ویلوں کا پانی حاصل کرنے اور اپنی محنت سے سینچی ہوئی زمینوں پر عمدہ فصلیں لہلہاتی ہوئی دیکھنے کا موقع ملے گا۔ لیکن ٹیوب ویل تعمیر ہوئے تو غریب کاشتکاروں کی امید بھی ان کی تمناؤں، خواہشوں اور آرزوؤں کی طرح بکھر کر رہ گئی۔ "اسکارپ" کے ناخدا بھی اسی استحصالی نظام کے کل پرزے ہیں جس کی چکی میں صدیوں سے غریب کسان پس رہا ہے۔ لہٰذا سرکاری ٹیوب ویلوں کے پانی سے صرف بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں سیراب ہوتی رہیں اور غریب کاشتکاروں کی زمینیں "فرات" کے کنارے ہوتے ہوئے بھی پیاسی رہیں۔

جن کاشتکاروں سے محکمہ کے اہل کاروں کے لئے کچھ "نذر نیاز" کا انتظام ہو سکا، انھیں ان ٹیوب ویلوں سے پانی مل گیا اور جن غریبوں کو "ہدیہ" پیش کرنے کی توفیق نہیں ہوئی وہ ٹیوب ویلوں کے پانی ہی سے نہیں بلکہ ان نہروں کے پانی سے بھی محروم ہو گئے، جہاں سے انہیں پہلے تھوڑا بہت پانی مل جاتا تھا۔ "اسکارپ" کے اہل کار بھی کیا کریں جب تک ان کا پیٹ ناک تک پر نہیں ہو جاتا انہیں کاشتکاروں کی زمینوں کی پیاس کا احساس کیسے ہو سکتا ہے؟

دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے نتائج عوام کی توقع کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے شکست خوردہ استحصالی نظام کے علمبرداروں نے نوکر شاہی کے ذریعے جہاں شہروں میں عوام کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ وہاں سندھ کے چھوٹے کاشتکاروں اور کسانوں کو بھی بیک وقت استحصالی قوتوں کے انتقام کا نشانہ بننا پڑا۔ ایک تو وہ بڑے زمیندار اور جاگیردار تھے جنھوں نے اپنے غنڈوں کے ذریعے مار پیٹ، دہشت انگیزی، مویشیوں کی چوری اور فصلوں کو آگ لگانے کی وارداتیں کرا کر چھوٹے کاشتکاروں اور ہاریوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ دوسری جانب نوکر شاہی کے اہل کاروں نے مختلف حیلوں سے انھیں پریشان کرنا اور انتخابات میں اپنی رائے کے استعمال کی سزا دینا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے خیرپور اور نواب شاہ کے علاقہ میں چلنے والے تقریباً سو ٹیوب ویل بند کر دیئے گئے۔ کسانوں نے اس ظلم پر احتجاج کیا تو عذر پیش کیا گیا کہ ان ٹیوب ویلوں میں سے دس میں کھاری پانی آ رہا تھا جو فصلوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور اگر یہ پانی کھیتوں میں فراہم کر دیا جاتا تو فصلیں تباہ ہو جاتیں۔ یہ وضاحت کرنے والے ذمہ دار حضرات غالباً یہ بھول گئے کہ یہ ٹیوب ویل سیم اور تھور کے انسداد کے لئے لگائے گئے تھے۔ اور ٹیوب ویل لگانے سے پہلے اس بات کا مکمل سروے کر لیا گیا تھا کہ کس جگہ سے کھارا پانی حاصل ہوگا۔ اور کہاں سے کاشت کے قابل پانی ملے گا۔ کھارے پانی کے لئے علیحدہ تھور نہریں بنائی گئی تھیں اور میٹھے پانی کے لئے علیحدہ انتظامات کئے گئے تھے۔ پھر ماہرین کے ان تمام تخمینوں کے بعد کاشت کے لئے پانی مہیا کرنے والے دس ٹیوب ویلوں سے اچانک کھارا پانی کیسے نکلنے لگا؟

باقی نوے ٹیوب ویلوں کو بند کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ان ٹیوب ویلوں کے ذریعے "اسکارپ" کی مقررہ حد کے مطابق زمین سے پانی نکالا جا چکا ہے۔ اس لئے ان سے مزید پانی نہیں لیا جا سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ "اسکارپ" کے ماہرین نے سیم کو دور کرنے کے لئے پانی کی ایک مقدار کا تعین کیا تھا کہ اس زمین سے اگر اتنی مقدار میں پانی نکال دیا جائے تو سیم ختم ہو جائے گی۔ اور زیر زمین پانی کی اتنی مقدار نکالی جا چکی ہے جتنی سیم کو دور کرنے کے لئے ضروری تھی۔ اس وضاحت کی بنیاد پر چھوٹے کاشتکار اور ہاری یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا "اسکارپ" کے اہل کار اس علاقہ میں سیم کو دور کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟ کیا زیر زمین پانی کی سطح مقررہ حد تک کم ہو چکی ہے؟ کیا سیم زدہ زمینیں کاشت کے قابل ہو چکی ہیں؟

اگر "اسکارپ" کے اہل کاروں کا جواب اثبات میں ہے تو ہم انھیں نواب شاہ، خیرپور، سانگھڑ، اور غلام محمد بیراج کے آس پاس کی ان زمینوں کا جائزہ لینے کا مشورہ دیں گے جو روز بروز سیم اور تھور کی وجہ سے بیکار ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اور جن سیم زدہ زمینوں سے "مطلوبہ مقدار" میں پانی نکل جانے کا دعویٰ

کیا جارہا ہے ان میں زیر زمین پانی کی سطح میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوچکا ہے - ایسی صورت میں ٹیوب ویل بند کرنے کے لئے "مطلوبہ مقدار" میں پانی کے اخراج کا عذر کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا - دوسری بات یہ کہ اگر یہ زمینیں سیم سے نجات پا بھی جائیں تو پانی کی "مطلوبہ مقدار" کو ٹیوب ویل بند کرنے کا عذر اس بنا پر نہیں بنایا جاسکتا کہ ٹیوب ویلوں کے ذریعے پانی صرف سیم زدہ زمینوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ جہاں سے بھی پانی معقول مقدار میں مہیا ہوسکتا ہے، حاصل کیا جاسکتا ہے -

غریب کاشت کاروں کو نہروں کے پانی سے محروم کرنے کا یہ عذر پیش کیا جارہا ہے کہ ون یونٹ ٹوٹنے کی وجہ سے سندھ کو دریائی پانی کی مناسب مقدار حاصل نہیں ہورہی ہے - دریائی پانی کی اس کمی کا شکار صرف چھوٹے کاشت کار اور کسان بنتے ہیں - بڑے زمینداروں کو پانی با افراط مہیا کیا جارہا ہے - نہری پانی کے اس مسئلے پر کسی آئندہ اشاعت میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی - اس وقت ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن ٹیوب ویلوں کو بند کیا گیا ہے پانی کے جن خزانوں پر اسکارپ کے اہل کار سانپوں کی طرح پھن پھیلائے بیٹھے ہیں وہ عوام کے پیسے سے تعمیر کئے گئے ہیں - ان ٹیوب ویلوں کی تعمیر میں اس ملک کے محنت کشوں کے خون پسینے کا پیسہ شامل ہیں - اور اب وہ اپنے خون پسینے کو مزید رائیگاں جانے نہیں دیں گے - اگر ہمارے سرکاری اداروں نے اپنی موجودہ روش ترک نہ کی تو عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جائے گا -

اعلان

کاغذ کی شدید قلت اور قیمت میں بے پناہ اضافے کے پیش نظر اس شمارے سے الفتح کے صرف آٹھ صفحات کم کئے جارہے ہیں یہ اقدام انتہائی مجبوری میں کیا گیا ہے - تاہم ادارہ نے کوشش کی ہے کہ پرچے کے معیار اور مواد کو نہ صرف برقرار رکھے بلکہ اسے مزید بہتر بنائے - ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام ہماری اس مجبوری اور کوششوں کو سامنے رکھتے ہوئے صفحات میں کمی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا تعاون جاری رکھیں گے

(ادارہ)

گھارو کے مزدوروں میں تصادم کی کہانی

ایک خفیہ ہاتھ مزدوروں کو بیروزگار کررہا ہے

مزدور عظیم ہے خدایا

نمائندہ الفتح

بخش ٹیکسٹائل ملز گھارو کی انتظامیہ نے کچھ عرصے قبل ایک شعبے کے مزدوروں کو ملازمت سے نکال دیا تھا - چنانچہ یونین نے یہ معاملہ لیبر ڈیپارٹمنٹ میں پیش کردیا - ادھر ملز کے منتظمین نے نکالے ہوئے مزدوروں کی جگہ جب نئی بھرتی کرنی چاہی تو لیبر ڈیپارٹمنٹ نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی - کیونکہ برطرف کئے جانے والے مزدوروں کا معاملہ زیر غور تھا - اس پر ملز کے جنرل منیجر مسٹر اکرم بھٹی نے گجرات سے مزدوروں کو بلوا کر بھرتی کرلیا - اور انھیں اپنے بنگلے کے ساتھ زیر تعمیر کوارٹروں میں رہنے کی جگہ دیدی - جنرل منیجر کے اس اقدام پر ملز کے مزدور مشتعل ہوگئے اور انھوں نے ۱۴ اور ۱۵ مارچ کی درمیانی شب کو منیجر کے بنگلے پر جو ملز سے ملحقہ ہے حملہ کردیا - اس موقع پر گجرات سے آئے ہوئے مزدوروں اور پرانے مزدوروں میں زبردست تصادم ہوگیا - جس کے نتیجہ میں دونوں پارٹیوں کے ۱۰۸ افراد زخمی ہوئے جن میں سے ایک ۳۵ سالہ مزدور عنایت حسین جس کا تعلق پرانے مزدوروں کی پارٹی سے تھا - بعد میں سول ہسپتال میں ہلاک ہوگیا .... ابتدا میں تقریباً آٹھ سو افراد کو حراست میں لے لیا گیا تھا - جن میں سے پولیس کے مطابق سات سو افراد کو تنبیہ کرکے چھوڑ دیا گیا - اور ایک سو افراد کو گرفتار کرلیا گیا - جن کے خلاف اقدام قتل، بلوہ، مداخلت بیجا، مار پیٹ، املاک کو نقصان پہنچانے اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں مقدمات قائم کئے گئے ہیں - کچھ افراد کے خلاف مارشل لاء ضابطہ ۱۹ اے کے تحت بھی مقدمہ قائم کیا گیا ہے ...." (روزنامہ جنگ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء)

- اس ہنگامے کا ذمہ دار کون ہے ؟
- لیبر ڈیپارٹمنٹ نے بھرتی کی اجازت نہیں دی تھی - نئی بھرتی کس قانون کے تحت کی گئی ؟
- غیر قانونی بھرتی پر لیبر ڈیپارٹمنٹ اور حکام کیوں خاموش رہے ؟
- لیبر ڈیپارٹمنٹ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے جنرل منیجر اکرم بھٹی کو قانون کی گرفت میں کیوں نہیں لیا گیا ؟
- حکام اور پولیس نے صرف مزدوروں ہی کو کیوں گرفتار کیا - قانون شکن انتظامیہ اور اس کا جنرل منیجر ابھی تک کیوں آزاد ہے ؟

ان سوالات نے محنت کشوں کو سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ کون سا خفیہ ہاتھ انہیں بے روزگار کررہا ہے - صنعتی امن تباہ کررہا ہے - اور تالہ بندی کرنے والوں کی ہمت بڑھا رہا ہے - اور وہ یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ ان کے منتخب کردہ نمائندے خاموش کیوں ہیں ؟

بخش ٹیکسٹائل ملز گھارو کا واقعہ توجہ کا محتاج ہے اور غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے - اس واقعے کے ڈانڈے مزدوروں کی ان برطرفیوں اور کسانوں کی اُن بے دخلیوں سے ملتے ہیں جو ملکی انتخابات کے فوراً بعد سے شروع ہوئیں - ان برطرفیوں اور بے دخلیوں کا مقصد جہاں محنت کشوں کو اُن کی اس "بغاوت" کی سزا دینا ہے جو انہوں نے انتخابات میں کی - وہاں مستقبل کی حکومت پر اپنی طاقت کا مظاہرہ بھی کرنا ہے - کہ "دیکھو اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم ملک کی معیشت تباہ کرسکتے ہیں -" بخش ٹیکسٹائل ملز کی انتظامیہ نے بھی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک شعبے کے مزدوروں کو بغیر کسی جواز کے برطرف کردیا - یونین نے انتظامیہ سے گفت و شنید کی تو اسے بتایا گیا کہ یہ شعبہ بند کردیا گیا ہے - اس پر یونین نے لیبر ڈیپارٹمنٹ سے رجوع کیا ابھی معاملہ زیر غور ہی تھا کہ انتظامیہ ملز کی پیداوار کو متاثر ہوتے دیکھ کر یہ شعبے دوبارہ چالو کرنے پر مجبور ہوگئی - لیکن یونین کو کمزور کرنے کے لئے اس نے برطرف شدہ مزدوروں کو لینے سے انکار کردیا اور گجرات سے مزدوروں کو درآمد کیا - گجرات سے مزدور بلوانے کا مقصد صرف مزدوروں کو آپس میں لڑانا تھا - یہ سامراجیوں کا پرانا حربہ ہے - کہ "آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو" اس حربے کو ملز کی انتظامیہ نے نہایت خوش اسلوبی سے آزمایا - گجرات سے آنیوالے مزدوروں میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھیں بڑے زمینداروں نے اپنی زمینوں سے بے دخل کردیا ہے اور وہ اپنے پیٹ بھرنے کے لئے شہروں میں (جسے روسو نے "تہذیب کے گورستان" کہا ہے) آنے پر مجبور ہوگئے ہیں -

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخش ملز کی انتظامیہ کو غیر قانونی بھرتی کرنے کی جرأت کیسے ہوئی ؟ تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ ولیکا ملز کی ہڑتال میں انتظامیہ کی کھلی جانبداری نے بخش ملز کے مالکان کو قانون اپنے ہاتھوں میں لینے پر اکسایا - بخش ملز کے مالکان نے سوچا ہوگا کہ جب ولیکا ملز کی انتظامیہ ایک ایسے معاہدے سے، جس پر حکومت کے نمائندوں کے بھی دستخط ہوں، انحراف کرسکتی ہے - تو وہ لیبر ڈیپارٹمنٹ کے حکم کو کیوں مانتے، ملز کی انتظامیہ کو اس بات کا یقین تھا کہ انتظامیہ اور پولیس اس کے مفادات کا تحفظ کرے گی - قانون اُسے گرفت میں نہیں لے گا - چنانچہ ایسا ہی ہوا پولیس نے مزدوروں کو بھی ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا - انہیں گرفتار کیا - اس کے خلاف مقدمات قائم کئے اور غیر قانونی بھرتی کرنے والی انتظامیہ کو کچھ نہ کہا -

پولیس کے ظلم و تشدد کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اُس نے خوف و ہراس پھیلانے کے لئے بغیر جواز اور ثبوت کے تقریباً آٹھ سو افراد کو گرفتار کر لیا۔ اتنی بڑی تعداد کو حوالات میں رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ انہیں ایک سینما میں بند کر دیا گیا۔ رات کو نہ انہیں کھانا دیا گیا اور نہ سونے کے لئے کمبل فراہم کئے گئے۔ پولیس کے ان مظالم کے خلاف بطور احتجاج عمر حیات نیازی اور مسعود ملک نے پولیس کے زیر حراست بھوک ہڑتال شروع کر دی ہے لیکن کیا پولیس نوکر شاہی اور دیگر استحصالی طبقے بھوک ہڑتال کے دباؤ میں آکر مزدوروں کے مسائل حل کر دیں گے۔ قطعاً نہیں۔ محنت کشوں کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس استحصالی نظام کا خاتمہ کر کے عنان حکومت خود نہیں سنبھال لیتے۔

بقیہ: خانساماں کی پراسرار ہلاکت

ہوتے ایک پولیس والے نے بتایا کہ یہ بات عجیب و غریب ہے کہ ریلوے پولیس کی انکوائری کے وقت متعدد افراد نے خود کو متوفی کا قریبی رشتہ دار ظاہر کیا تھا۔ لیکن ہسپتال پہنچنے کے بعد لاش کو لاوارث قرار دے دیا گیا ہے۔"

متوفی گل محمد کے بھائی دین محمد نے ایسے ہی اور کئی واقعات بیان کئے ہیں اور مذکورہ پانچوں افراد ریلوے پولیس اور سول ہسپتال کے بعض حکام کے خلاف سنگین الزامات لگائے ہیں۔ یہ الزامات کہاں تک درست ہیں؟ انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ ان کی غیر جانبدارانہ اور آزادانہ تحقیقات کی جائے۔ تاکہ اصل صورت سامنے آسکے۔

غدار کون ہے: بقیہ صفحہ ۱۹ سے آگے

گروی رکھنے کے خلاف تحریک چلائی تو وہ غدار سب مینڈکوں کو بھٹو نے ایک ہی جواب دیا کہ "وقت خود بتا دے گا کہ میرا موقف درست تھا ــــ"

وقت نے بتا دیا کہ بھٹو ٹھیک کہتا تھا۔ مشرقی پاکستان میں جسے آزاد بنگلہ دیش قرار دیدیا گیا ہے۔ قومی پرچم جلایا گیا۔ قائداعظم کی تصویریں پاؤں تلے روندی گئیں۔ اور نہ جانے کتنے غیر بنگالیوں کو کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ ملک کے ایک حصہ پر عملاً ایک الگ حکومت بن گئی۔ جس نے ملک کے ہر حکم، ہر قانون کو ٹھکرا دیا۔ اس پر کس کا دل ہے جو نہ رویا ہوگا۔ قائداعظم، لیاقت علی خاں، مولوی فضل الحق، خواجہ ناظم الدین، مولوی تمیز الدین خاں، مولانا اکرم حسین شہید سہروردی کی روحیں کیا نوحہ کناں نہ ہوئی ہوں گی؟ مردہ پرست قوم کا بھٹو زندہ ہے۔ وہ ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے نشتر پارک کے جلسۂ عام میں رو دیا تھا۔ اسی لئے وہ باغی ہے اور وہ سیاسی بہروپئے وطنی دوست ہیں جو غیر بنگالیوں کی حالت زار دیکھنے اور ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ڈھاکہ دوڑے جا رہے ہیں کہ اقتدار میں انہیں بھی شریک کر لیا جائے۔

اسی لئے میں نے عرض کیا ہر دور میں موقع پرست قرآن پاک کی تفسیر کی طرح وطنی دوستی اور وطن دشمنی کے سانچے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ عوام پہچان چکے ہیں کہ ان کے دوست کون ہیں اور دشمن کون ہے۔ سیاسی گرگٹوں کے بدلتے ہوئے رنگ ان سرمایہ داروں کے اخباروں کے صفحات پر بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں جنھوں نے ہر چڑھتے سورج کی پوجا کو اپنا شعار بنائے رکھا ہے۔ مگر وہ وقت آن پہنچا ہے جس کا ذکر میں ڈیڑھ مہینے پہلے کر چکا ہوں۔ میں نے الفتح کے ۴ تا ۱۱ فروری ۱۹۷۱ء کے شمارہ میں لکھا تھا۔

> "عوام اپنے حالات ہی نہیں اپنے دشمنوں کو بھی ہمیشہ کے لئے ٹھیک کر دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ وقت کے انتظار میں ہیں اور جس لمحے کا وہ انتظار کر رہے ہیں اُس لمحے کو اُن کے دشمن اُن کے قریب لا رہے ہیں۔ یہ دشمن اپنے ہی پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنے والے ہیں۔ وہ اگر انقلاب کے متمنی ہیں تو یہ انقلاب ان کی پسند کا نہیں ہوگا یہ انقلاب آئے گا ضرور مگر اُسے عوام خود لائیں گے۔"

عوام اس انقلاب میں ایک ہی چیز کا فیصلہ کریں گے کہ غدار کون ہے اور محب وطن کون ہے۔ عوامی حقوق کے تحفظ کے لئے ہمہ گیر تحریک شروع ہونے والی ہے جس کا اعلان مسٹر بھٹو کر چکے ہیں۔ دنیا نے مشرقی پاکستان کے عوام کی طاقت دیکھ لی۔ اب مغربی پاکستان کے عوام کی طاقت بھی دیکھنی ہوگی۔ عوام کے خلاف کوئی سازش، خلیج بنگال میں تیار کھڑے ہوئے امریکی چھٹے بحری بیڑے کے ذریعہ کامیاب نہیں ہونے دی جائے گی۔ لاکھوں انسانوں کے خون سے بنے ہوئے پاکستان کو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں ہونے دیا جائے گا۔

موجودہ سیاسی بحران اسمبلی کے اجلاس کے التوا کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ہماری سابقہ سیاسی کمزوریوں کا ردعمل ہے وہ سیاسی کمزوریاں یہ تھیں کہ الیکشن ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر لڑا گیا اور ون یونٹ توڑ دیا گیا۔ اب یہ بحران نہ تو قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے سے ختم ہو سکتا ہے اور نہ عبوری حکومت بنانے سے۔ کیونکہ پل کے نیچے سے پانی بہت بہہ چکا ہے۔

بقیہ: عالمی سیاست

فروری کو خلیج فارس کے ملکوں کے تیل پر ۵۵ فی صد اور خام تیل کے فی بیرل پر ۲۵ سنٹ کا اضافہ منظور کر لیا۔ اجارہ دار کمپنیوں نے یہ اضافہ بخوشی قبول نہیں کیا ہے۔ تیل برآمد کرنے والے ممالک کا اتحاد توڑ کر دوبارہ اپنی مرضی کے مطابق تیل کی قیمت مقرر کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن تیل برآمد کرنے والے ممالک بھی ان کی تمام سازشوں اور گٹھ جوڑ سے آگاہ ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر امریکی سامراج اور اجارہ دار کمپنیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے کمربستہ ہیں۔

معراج کو ہتھکڑیاں پہنا کر گشت کرایا گیا: صفحہ ۱۰ سے آگے

خاں کا کہنا ہے کہ "میں نے بھی سیاست کی چائے سے لے کر انٹرکانٹی نینٹل تک کی چائے پی ہے لیڈروں کے ہاں چائے پی ہے اور سیاست دانوں کے ہاں بھی۔ لیکن جو مزہ مجھے اس چائے میں آیا، اُسے بیان نہیں کر سکتا۔ شاید عمر بھر ایسی چائے نصیب نہ ہو۔" چائے پلانے کے بعد اس قیدی نے بتایا کہ جیسا اُسے معلوم ہوا کہ کراچی سے چند طالب علم آئے ہیں تو وہ اُسی دن سے ملاقات کے لئے بے چین تھا لیکن پہلی ملاقات پر وہ کوئی تحفہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ اور اُس کے نزدیک کراچی والوں کے لئے چائے سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ معراج نے بتایا کہ ایک ماہ بعد ایوب خان نے تحقیقاتی بورڈ بنایا۔ پوچھ گچھ کی ابتدا جوہر حسین سے ہوئی۔ شیر افضل ملک، فتح یاب اور مجھے سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا۔ اور ذہنی اذیت پہنچانے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ ان تینوں کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہے۔ اس لئے انھیں پرانی جیل لے جایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس وقت تک نیو سنٹرل جیل میں پھانسی گھر تعمیر نہیں ہوا تھا۔ پرانی جیل میں مجھے رسی بننے پر لگا دیا گیا۔ تین دن اسی سوچ و بچار میں گزرے کہ نجانے جوہر حسین کہاں ہے؟ اس پر کیا بیت رہی ہے؟ چوتھے روز مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل نے اپنے دفتر بلایا۔ میز پر ایک سیاہ حاشیے کا لفافہ پڑا تھا۔ جس پر لکھا تھا:

> "معراج محمد خاں کو سزائے موت دی جاتی ہے"

لفافے پر میری نگاہ پڑتے ہی سپرنٹنڈنٹ نے اُسے چھپا لیا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ہتھکڑی پہنا کر لے جاؤ۔ مجھے نیو سنٹرل جیل لے جانا تھا۔ سپاہیوں نے کرائے کے پیسے اپنی جیب میں رکھنے کے لئے مجھے پیدل ہی گھسیٹا۔ بازار میں جب چھوٹے چھوٹے بچوں نے چور چور کے آوازے کسے تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آگئے کہ حکومت کس روپ میں ہمیں عوام کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ راستے میں ایس ایم کالج حیدرآباد کا ایک طالب علم ملا اُس نے پندرہ روپے پولیس والوں کو رشوت دے کر ایک ہوٹل میں مجھے چائے پلوائی۔ اور نیک خواہشات کے ساتھ رخصت کیا۔ نیو سنٹرل جیل میں تحقیقاتی بورڈ نے چار دن تک پوچھ گچھ کی۔ تحقیقات ختم ہونے کے بعد حکام کا رویہ نرم پڑا۔"

اس کے بعد معراج محمد خاں کئی بار پابند سلاسل ہو چکے ہیں۔ ابھی حال ہی میں پولیس نے انھیں کراچی کی سڑکوں پر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا لیکن معراج کا کہنا ہے کہ ۱۹۶۱ء میں جتنا تشدد کیا گیا، اتنا کبھی نہیں کیا گیا۔